سورۃ الفاتحہ

ایک تحقیقی مطالعہ

الطاف احمد اعظمی

گرین بکس

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب : سورۃ فاتحہ ایک تحقیقی مطالعہ

مصنف : الطاف احمد اعظمی (علیگ)

اشاعت : 2016

297.16
ع 3 ہ ک س
۱۴۵۴۲۷

تقسیم کار

کتاب سرائے
پبلیشرز، ڈسٹری بیوٹرز، مشیران کتب خانہ جات
فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، غزنی اسٹریٹ
اردو بازار، لاہور فون: 37220318

فضلی بک سپر مارکیٹ
اردو بازار نزد ریڈیو پاکستان، کراچی۔
فون: 32212991-32629724

Marfat.com

ان تمام لوگوں کے نام

جو

صراط مستقیم

کے طلب گار ہیں

Marfat.com

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۱	دیباچہ	۵
۲	سورہ فاتحہ ـــــ ترجمہ	۸-۹
۳	سورہ فاتحہ کی وجہ تسمیہ	۱۰
۴	فاتحہ کے دوسرے نام	۱۰
۵	سورہ فاتحہ کی فضیلت قرآن مجید میں	۱۲
۶	سورہ فاتحہ کی فضیلت احادیث میں	۱۳
۷	سورہ فاتحہ کی فضیلت علماء اسلام کی نظروں میں	۱۴
۸	سورہ فاتحہ کے مضامین کی تشریح وتوضیح	۱۶
	الحمد للہ	۱۶
	رب العالمین	۲۱
	الرحمٰن الرحیم	۲۵
	مالک یوم الدین	۳۳
	ایاک نعبد	۵۱
	ایاک نستعین	۵۸
	اہدنا الصراط المستقیم	۶۳
	صراط الذین انعمت علیہم	۷۴
	غیر المغضوب علیہم ولا الضالین	۷۶

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

سورہ فاتحہ قرآن مجید کی ایک بہت اہم سورہ ہے۔ حدیث کی کتابوں میں اس کے متعدد نام مذکور ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سورہ اسلوب بیان اور معنوی وسعت وجامعیت کے اعتبار سے قرآن مجید کی دوسری سورتوں سے جداگانہ اور ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ سورہ قرآن مجید کے بنیادی مضامین کی جامع ہے۔ اگر کوئی شخص صرف اس سورہ کے معنی ومفہوم سے صحیح طور پر واقف ہوگیا تو گویا اس نے اجمالاً پورے قرآن کو سمجھ لیا ہے اس سورہ کی اسی اہمیت کی وجہ سے علماء اسلام نے اس کو برابر اپنی توجہات کا مرکز بنایا ہے اور تفسیروں میں اس کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے۔ ہندی مفسرین میں مولانا حمید الدین فراہیؒ اور مولانا ابوالکلام آزادؒ نے اس سورہ کی شرح وتفسیر بڑی خوبی اور باریک بینی کے ساتھ کی ہے۔ فراہیؒ کی تفسیر کا سب سے اہم حصہ وہ ہے جس میں انھوں نے سورہ فاتحہ کا انجیل کی دعا سے موازنہ کرکے سورہ فاتحہ کی عظمت وفضیلت کو واضح کیا ہے۔ مولانا آزاد نے جو تفسیر لکھی ہے وہ بڑی مفصل اور مدلّل ہے لیکن اس میں ایک نقص بھی ہے وہ یہ کہ مباحث کے دائرے کو انھوں نے غیر ضروری حد تک وسیع کردیا ہے اور اس میں بعض ایسے مباحث داخل کردیے ہیں جن کا سورہ فاتحہ سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے، میری مراد تصور الٰہ کے فلسفیانہ مباحث سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ تفسیر اپنی جگہ قابل قدر ہوتے ہوئے بھی عام مسلمانوں کے لیے کچھ زیادہ مفید نہیں ہے۔

ان عمدہ تفاسیر کی موجودگی میں بظاہر کوئی ضرورت نہ تھی کہ اس سلسلے میں مزید کچھ لکھا جاتا

Marfat.com

لیکن راقم سطور نے جو قرآنِ مجید کا ایک ناچیز طالب علم ہے، محسوس کیا کہ یہ سورہ عصری حالات کے پیش نظر ایک نئے انداز سے مزید شرح و تفصیل کی طالب ہے۔

سورہ فاتحہ نماز کا جزو لازم ہے اور ہر مصلّی روزانہ کم از کم پانچ بار اس کو ضرور پڑھتا ہے لیکن اس تکرار و تسلسل کے باوجود وہ نہیں جانتے کہ حمد و ستائش کا حقیقی مفہوم کیا ہے اور خالق و مخلوق کی مدح و ستائش میں کیا فرق ہونا چاہئے، وہ رب کے معنی صرف پروردگار کے جانتے ہیں جب کہ قرآنِ مجید نے اس لفظ کو اس سے کہیں زیادہ وسیع معنوں میں استعمال کیا ہے، حمد و رب کی طرح خدا کی رحمت کے صحیح تصوّر، خدا کی رحمت اور اس کے قہر و غضب میں ربط و تعلق کی نوعیت، لفظ مالک اور دین کے واقعی معنی اور اس کے وسیع اطلاقات نیز عبادت و استعانت کے حقیقی مفہوم اور اس عہد کی حقیقت و اہمیت سے بھی وہ صحیح طور پر آگاہ نہیں ہیں۔ یہی معاملہ صراط مستقیم، منعم علیہم، مغضوب علیہم اور ضالین جیسے الفاظ کا ہے۔ مسلمان ہر نماز میں ان الفاظ کو دہراتو دیتے ہیں لیکن یہ نہیں جانتے کہ جس سیدھی راہ (صراط مستقیم) پر چلنے کے وہ آرزومند ہیں وہ سیدھی راہ کیا ہے اور اس راہ پر ہر دور میں خدا کے جو نیک بندے چلے وہ کون تھے اور دنیا اور آخرت دونوں میں جس انعام الٰہی کے مستحق قرار پائے وہ انعام کیا تھا؟ اسی طرح وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ خدا کے غضب کے شکار (مغضوب) اور اس کی سیدھی راہ سے بھٹک جانے والے لوگ (ضالین) کون تھے اور کن عقائد و اعمال کی وجہ سے ایک گروہ انسانی مغضوب اور دوسرا گم کردہ راہ ٹھہرا؟

ان امور سے مسلمانوں کی عدم واقفیت کی وجہ کچھ یہ نہیں کہ اللہ رب العزت نے ان کو ان سے آگاہ نہیں فرمایا بلکہ اس کی وجہ سراسر ان کی غفلت و بے توجہی ہے۔ پروردگار عالم کا یہ بہت بڑا لطف و احسان ہے کہ اس نے نہ صرف دعا کی تعلیم دی بلکہ اسے شرف قبولیت بھی بخشا اور جواب دعا کے طور پر پورا قرآن مجید عطا فرمایا جس میں امور متذکرہ بالا کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ قرآن مجید سے صحیح طور پر استفادہ ہر مسلمان کے لیے ممکن نہیں ہے کیوں کہ ان کی اکثریت عربی زبان سے ناواقف ہے اس لیے

Marfat.com

یہ نہایت ضروری ہے کہ ہر ملک کے مسلمانوں کی مادری زبان میں اس دعا کے اجزائے ترکیبی کی شرح و وضاحت اس انداز سے کی جائے کہ ایک طرف قرآن مجید کے بنیادی تصورات بالکل واضح ہو جائیں اور دوسری طرف مسلمانوں میں اس بات کا واقعی احساس پیدا ہو جائے کہ اس دعا کے حقیقی مفہوم اور اس کے تقاضوں سے وہ یکسر غافل ہیں اور اس غفلت کی وجہ سے ان کی زندگیوں میں طرح طرح کی اعتقادی اور اخلاقی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں۔

زیرِ نظر کتاب اسی عصری ضرورت کے پیش نظر لکھی گئی ہے۔ اس میں سورہ فاتحہ کے مضامین کی تشریح و توضیح میں "یفسر بعضہ بعضا" کے معروف تفسیری اصول کے مطابق قرآن مجید کی توضیحات کو مشعل راہ بنایا گیا ہے، حسب ضرورت عربی تفاسیر سے بھی مدد لی گئی ہے۔ الفاظ سورہ کی معنوی شرح و وضاحت میں مستند عربی لغات کے ساتھ قرآن مجید میں ان کے محل استعمالات کو بھی مدنظر رکھا گیا ہے۔ مغضوب اور ضالین کے مفہومات کی توضیح میں اناجیل اور بعض تاریخی ماخذوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ اس میں اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ دعا کے حقیقی مفہومات کی وضاحت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے موجودہ عقائد و اعمال کی خرابیوں کی طرف بھی اشارے کر دیے جائیں تاکہ ان پر ان کے قول و فعل کا تضاد واضح ہو جائے اور وہ اصلاح احوال کی طرف مائل ہو سکیں۔

خدا سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو ان تمام لوگوں کے لیے نافع بنائے جو صراط مستقیم کے طلب گار اور مغضوب اور ضالین کی راہِ عمل سے اجتناب و احتراز کے آرزومند ہیں۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

الطاف احمد اعظمی (علیگ)

Marfat.com

سُورۂ فاتحہ

اٰیاتُھا ۷ (۱) سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃِ مَکِّیَّۃٌ (۵) رُکُوْعُھَا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿۱﴾ الرَّحْمٰنِ
الرَّحِيْمِ ۙ﴿۲﴾ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ؕ﴿۳﴾
اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ؕ﴿۴﴾
اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ﴿۵﴾ صِرَاطَ
الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ
الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴿۷﴾

Marfat.com

ترجمہ

شکر[1] اور ستائش اللہ ہی کے لیے ہیں[2] جو تمام کائنات کا مربی، آقا اور حاکم ہے[3]، بے حد مہربان اور نہایت رحم والا ہے، جو فیصلے کے دن کا مالک[4] ہے۔ ہم صرف تیری ہی بندگی کرتے ہیں[5] اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں، ہم کو سیدھی راہ دکھا، ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام فرمایا، ان کی راہ نہیں جو مغضوب ہوئے اور نہ ان کی جو بھٹکے ہوئے ہیں[6]۔

---

[1] اکثر مفسرین نے حمد کا ترجمہ تعریف کیا ہے اور بعض نے شکر بھی، لیکن اس میں تعریف اور شکر دونوں کا مفہوم شامل ہے۔

[2] اللہ میں اگر لام بمعنی اختصاص لیا جائے تو مطلب وہ ہوگا جو اوپر لکھا گیا، لیکن بمعنی استحقاق لینے کی صورت میں اس کا مفہوم ہوگا کہ ہر طرح کے شکر و ستائش کی مستحق صرف اللہ کی ذات ہے۔

[3] اکثر مفسرین نے رب کا ترجمہ مربی (پروردگار، پرورش کنندہ) کیا ہے لیکن اس کے معنی آقا مالک اور حاکم کے بھی ہیں جو تقاضائے ربوبیت کی بنا پر اس کا جزو لازم بن گئے ہیں۔

[4] مالک سے یہاں مقتدر اعلیٰ مراد ہے، یعنی جس دن کسی اور کو کسی نوع کا بھی کوئی اقتدار و اختیار حاصل نہ ہوگا۔

[5] عبادت میں پرستش کے ساتھ کامل اطاعت و محکومیت کا مفہوم بھی شامل ہے۔

[6] بعض اہل علم نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے "ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا جو مغضوب نہیں ہوئے جو بھٹکے ہوئے نہیں ہیں (تفہیم القرآن و معارف القرآن وغیرہ) اس اختلاف مفہوم کا سبب جاننے کے لیے دیکھیں تفسیر الطبری ج ۱ ص ۱۸۰، ۱۸۱، مطبوعہ مصر ۱۳۷۴ھ

Marfat.com

وجہ تسمیہ

فاتحہ کے لفظی معنی آغاز کے ہیں اور اصطلاحاً ہر اس چیز کو فاتحہ کہتے ہیں جس سے کسی مضمون یا کتاب یا شے کا افتتاح ہو۔ چونکہ قرآن مجید کا آغاز اسی سورہ سے ہوا ہے اور مزید برآں مصحف کی کتابت، اس کی تلاوت اور ہر نماز کی ابتدا بھی اسی سورہ سے ہوتی ہے اس لیے اسے فاتحہ کے نام سے موسوم کیا گیا۔

یہ دراصل اس دیباچہ کے مشابہ ہے جو عام طور پر کتابوں کے شروع میں مصنف کی طرف سے لکھا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے دیکھیے تو سورہ فاتحہ کی حیثیت بھی دیباچۂ قرآن کی ہے جس کو پڑھ کر قرآن مجید کے بنیادی مضامین اور اس کی غایت نزول کو بآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔

فاتحہ کے دوسرے نام

فاتحہ کے علاوہ اس سورہ کے دوسرے نام بھی ہیں جو احادیث کی کتابوں میں مذکور ہیں[1] مثلاً السبع المثانی (سات دہرائی جانے والی آیات) اُم القرآن (جامع اور مرکزی سورہ) الکافیہ (کفایت کرنے والی) الکنز (خزانہ) اساس القرآن (قرآن مجید کی بنیاد) علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اس کے بیس سے زائد نام جن میں مذکورہ نام بھی شامل ہیں، لکھے ہیں اور یہ درج ذیل ہیں[2]:

۱۔ فاتحۃ الکتاب : اس کی وضاحت اوپر ہو چکی ہے۔

۲۔ فاتحۃ القرآن

۳۔ اُم الکتاب : اس کی وجہ تسمیہ میں متعدد اقوال ہیں۔ ماوردی کا بیان ہے کہ اس کا یہ نام اس لیے رکھا گیا کہ اور جتنی سورتیں ہیں وہ سب اس کے بعد نازل ہوئی ہیں اور وہ سب سے مقدم ہے اور جو آگے رہے اس کو امام کہتے ہیں اسی لیے نشان جنگ کو اُم کہتے ہیں کیونکہ وہ

---

[1] موطا، بخاری، ابن ماجہ، ابوداؤد وغیرہ

[2] الاتقان فی علوم القرآن، ج ۱ ص ۵۵، ۵۴ مطبوعہ مصر ۱۳۱۷ھ مزید دیکھیں، تفسیر الطبری ج ۱ ص ۱۰۷

Marfat.com

آگے چلتا ہے اور تمام فوج اس کی پیروی کرتی ہے۔ انسان کی عمر گزشتہ کے سالوں کو بھی ان کی تقدیم کی وجہ سے اُم کہا جاتا ہے، مکہ کو امّ القریٰ اسی لیے کہتے ہیں کہ اس کی آبادی دوسرے تمام مقامات کی آبادی سے پہلے وجود میں آئی۔ کسی شے کی اصل کو اُم الشئ کہا جاتا ہے۔ فاتحہ بھی قرآن مجید کی اصل ہے کیونکہ اس کے اندر کل قرآن کے اغراض اور اس کے جملہ علوم موجود ہیں، قوم کے سردار کو اُم القوم کہتے ہیں چونکہ فاتحہ دوسری سورتوں پر فضیلت رکھتی ہے اس لیے اسے اُم الکتاب کہا گیا۔ اس کی ایک اور وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ سورہ اہلِ ایمان کی جائے پناہ اور رجعت کے بعد مجتمع ہونے کی جگہ ہے، اسی لیے نشان فوج کو امّ کہا جاتا ہے کیونکہ فوج کے سپاہی اس کے زیر سایہ پناہ لیتے اور جمع ہوتے ہیں۔

۴۔ اُم القرآن :

۵۔ قرآن العظیم : امام احمد نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ھی اُمّ القرآن وھی السبع المثانی وھی القرآن العظیم۔

۶۔ السبع المثانی : اس نام میں سبع کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ فاتحہ میں سات ہی آیتیں ہیں لفظ مثانی میں مختلف اقوال ہیں (۱) یہ لفظ ثناء سے مشتق ہے کیونکہ اس میں اللہ کی ثناء بیان کی گئی ہے (۲) ثنیا سے مشتق ہے جس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورہ کو صرف اسی امت کے لیے مستثنیٰ کیا ہے۔ (۳) یہ لفظ تثنیہ سے مشتق ہے کیونکہ یہ سورہ ہر رکعت میں دہرائی جاتی ہے۔ یہی قول زیادہ راجح ہے۔

۷۔ الوافیہ : الکشاف کا قول ہے کہ اس کے اندر قرآن مجید کے تمام معانی موجود ہیں اس لیے وافیہ نام پڑا۔

۸۔ الکنز :

۹۔ الکافیہ : اس لیے کہ نماز میں کسی اور سورہ کے ملائے بغیر بھی یہ کافی ہو جاتی ہے۔

۱۰۔ الاساس : اس لیے کہ قرآن مجید کی اصل اور اس کی پہلی سورہ ہے۔

(۱۱) النور (۱۲) سورۃ الشکر (۱۳) سورۃ الحمد (۱۴) سورۃ الحمد الاولیٰ (۱۵) سورۃ الحمد القصریٰ (۱۶) الراقیۃ (۱۷) الشفاء (۱۸) الشافیۃ (۱۹) سورۃ

Marfat.com

الصلوٰۃ (۲۰) سورۃ الدعا (۲۱) سورۃ السوال (۲۲) سورۃ تعلیم المسئلۃ

(۲۳) سورۃ المناجاۃ (۲۴) سورۃ التفویض

سورہ فاتحہ کے ناموں کی کثرت خود ظاہر کرتی ہے کہ یہ قرآن مجید کی ایک غیر معمولی عظمت وفضیلت کی حامل سورہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید میں دین اسلام کی جن بنیادی تعلیمات کو شرح وتفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے انہی تعلیمات کو اس سورہ میں اختصار اور جامعیت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے سورہ فاتحہ اور قرآن مجید کی دوسری سورتوں میں صرف اجمال اور تفصیل کا فرق ہے۔

سورہ فاتحہ کی فضیلت قرآن مجید میں

اس سلسلے میں قرآن مجید کی درج ذیل آیات بڑی اہمیت رکھتی ہیں، فرمایا:

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۝ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (الحجر: ۸۷، ۸۸)

ہم نے تم کو سات آیتیں (سورہ فاتحہ) اور قرآن عظیم عطا کیا ہے۔ تم اس متاع دنیا کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھو جو ہم نے (مشرکین کے) مختلف گروہوں کو دے رکھا ہے۔ اور نہ ان کے حال پر زیادہ غم کرو۔ اور مسلمانوں کے ساتھ غایت درجہ لطف ومہربانی کے ساتھ پیش آؤ۔

یہ مکّی سورہ کی آیات ہیں۔ اس کے سیاق وسباق پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ یہ آیتیں اس وقت نازل ہوئی تھیں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب انتہائی عسرت وتنگ دستی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ایک طرف مشرکین مکہ تھے جنھیں ہر طرح کا دنیوی عیش وآرام حاصل تھا اور دوسری طرف اہلِ ایمان کی ایک مختصر جماعت تھی جنھیں دنیوی عیش اور فارغ البالی تو درکنار بطور سد رمق سامان زندگی بھی حاصل نہ تھا۔ ان صبر آزما حالات میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پریشان حال ساتھیوں کو جو مایۂ تسکین اور سامان دلبستگی

Marfat.com

عطا کیا گیا اس کا تعلق کسی مادی دولت سے نہیں بلکہ ایک روحانی دولت یعنی سبع مثانی (سورہ فاتحہ) اور قرآن عظیم سے تھا اور انھیں تاکید کی گئی کہ اس دولت کو پا لینے کے بعد وہ اہلِ کفار کے مال و متاع کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں کہ اس دولت روحانی کے مقابلے میں ان کی حیثیت خزف ریزوں سے زیادہ نہیں ہے۔

آیات مذکورہ میں سورہ فاتحہ کی فضیلت کا ایک اور پہلو بھی ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ سورہ فاتحہ قرآن مجید ہی کی ایک سورہ ہے لیکن مذکورہ آیات میں بطور انعام اس کا ذکر قرآن مجید سے الگ ہوا ہے۔ اس سے دراصل اہلِ ایمان کو اس امر کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے کہ قرآن مجید کے خزانۂ جواہر میں سب سے گراں بہا جوہر یہی سورہ ہے۔

سورہ فاتحہ کی فضیلت احادیث میں

سورہ فاتحہ نماز پنجگانہ کا ایک ایسا جزو ہے جس کے بغیر نماز کی تکمیل نہیں ہوتی جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:۔

لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ فیہا بفاتحۃ الکتاب[1]

"اس شخص کی نماز ہی نہیں ہوئی جس نے نماز میں فاتحۃ الکتاب یعنی سورہ فاتحہ کو نہ پڑھا۔"

یہ حدیث سورہ فاتحہ کی فضیلت کی ایک بڑی دلیل ہے۔ ایک دوسری حدیث میں اس سورہ کی فضیلت کو بڑے دلنشیں انداز میں بیان کیا گیا ہے، حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

"میں نے اپنے اور بندہ کے درمیان نماز کو نصف نصف تقسیم کیا ہے، اس کا نصف میرے لیے اور نصف میرے بندہ کے لیے۔ بندے کو وہ چیز ملے گی جس کی وہ خواستگاری کرے گا۔ نبی اکرمؐ نے مزید فرمایا: جب بندہ الحمد للہ رب العٰلمین کہتا ہے تو خدا فرماتا ہے: میرے بندے

---

[1] بخاری، مسلم عن عبادہ بن صامت

Marfat.com

نے میری تعریف کی اور جب وہ الرحمٰن الرحیم کہتا ہے تو خدا فرماتا ہے: میرے بندے نے میری خوب حمد و ثنا کی۔ جب بندہ مالک یوم الدین کہتا ہے تو خدا فرماتا ہے: میرے بندے نے میری بزرگی و عظمت کا اظہار کیا۔ جب ایاک نعبد وایاک نستعین کہتا ہے تو خدا فرماتا ہے: یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان تقسیم ہے اور میرے بندہ کے لیے وہ چیز ہے جسے اس نے مانگا۔ جب بندہ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کہتا ہے تو خدا فرماتا ہے: میرے بندہ کی یہ درخواست قبول ہوئی اور اس کے علاوہ جو بھی درخواست کرے گا وہ منظور ہوگی۔"[1]

سورہ فاتحہ کی فضیلت علماء اسلام کی نظروں میں

علامہ جلال الدین سیوطی اپنی کتاب "الاتقان فی علوم القرآن" میں سورتوں کے فواتح پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کلام کے عمدہ آغاز کی ایک نہایت مخصوص نوع براعۃ الاستہلال بھی ہے۔ یہ اس بات کا نام ہے کہ آغاز کلام اس چیز پر مشتمل ہو جو متکلم فیہ کے مناسب حال ہو اور اس میں آیندہ کلام کا اشارہ بھی موجود ہو چنانچہ اس کا سب سے اعلیٰ اور احسن نمونہ سورہ فاتحہ ہے جو قرآن مجید کا مطلع اور اس کے تمام مقاصد کو محیط ہے۔"[2]

اس سلسلہ میں بیہقی اپنی کتاب شعب الایمان میں لکھتے ہیں:

"ابو القاسم بن حبیب نے محمد بن صالح بن ہانی سے اور انھوں نے حسین بن فضل سے بواسطۂ عفان بن مسلم اور ربیع بن صبیح سے نقل کیا ہے کہ حسن بصریؒ

---

[1] مسلم عن ابی ہریرہؓ

[2] الاتقان ج ۲ ص ۱۰۶ مطبوعہ مصر ۱۳۱۷ھ

Marfat.com

فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ایک سو چار کتابیں نازل فرمائی ہیں اور ان سب کے علوم چار کتابوں یعنی تورات، انجیل، زبور اور قرآن مجید میں مرحمت فرمائے ہیں، پھر تورات انجیل اور زبور کے علوم قرآن مجید میں ودیعت فرمائے ہیں اور علوم قرآن کو اس کے حصہ مفصل میں محفوظ رکھا ہے اور مفصل کے جملہ علوم صرف سورہ فاتحہ میں جمع فرما دیے ہیں لہٰذا جو شخص سورہ فاتحہ کی تفسیر معلوم کرلے گا وہ جملہ کتب منزلہ کا عالم ہو جائے گا۔"[1]

شعب الایمان کی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں:

"اس قول کی توجیہ اس طور پر کی گئی ہے کہ قرآن مجید کے جملہ علوم اور وہ علوم جو قیام مذہب کے ارکان کی حیثیت رکھتے ہیں، چار ہیں: (۱) علم اصول، اس کا مدار اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کی معرفت پر ہے اور اس کی طرف رب العالمین اور الرحمٰن الرحیم کے الفاظ سے اشارہ کیا گیا ہے (۲) علم عبادت، اس کی طرف ایاک نعبد اشارہ کر رہا ہے۔ (۳) علم سلوک، اور اس کی غرض و غایت یہ ہے کہ نفس کو آداب شرعیہ کے برتنے اور احکام خدا کی تعمیل پر آمادہ کیا جائے اور اس کی جانب ایاك نستعین اور اهدنا الصراط المستقیم سے اشارہ کیا گیا ہے (۴) علم قصص، یعنی گزشتہ اقوام و ایام کے حالات یعنی تاریخ کا علم تاکہ ان سے باخبر ہونے والے کو اطاعت الٰہی کی سعادت اور نافرمانوں اور کافروں کی شقاوت کا علم ہو صراط الذین انعمت علیهم غیر المغضوب علیهم ولا الضّالّین سے اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ غرض کہ سورہ فاتحہ قرآن مجید کے تمام مقاصد کی جامع ہے اور یہ بات براعۃ الاستہلال کی غایت ہے۔ اس کے ساتھ سورہ فاتحہ کے خوبصورت الفاظ اور دلکش مقاطع اس کے حسن میں چار چاند لگا دیتے ہیں۔ فی الواقع یہ سورہ انواع بلاغت پر حاوی ہے۔"[2]

---

[1] الاتقان ج ۲ ص ۱۰۶ [2] الاتقان ج ۲ ص ۱۰۶

Marfat.com

سُورۂ فاتحہ
کے مضامین کی تشریح وتوضیح

الحمدللہ

حمد کے لغوی معنی تعریف وستائش کے ہیں، یہ ذم کی ضد ہے اور یہ شکر کے معنی میں بھی مستعمل ہے[1] کسی حسین ونادر شاہکار کو دیکھ کر ایک انسان کے دل میں تعریف وتحسین کے جو جذبات پیدا ہوتے ہیں زبان سے ان کے اظہار کا نام حمد ہے جس سے مقصود دراصل اس شاہکار کے خالق کے کمال خلق کا اعتراف ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں حمد کا لفظ تحسین وستائش کے معنی میں بکثرت استعمال ہوا ہے مثلاً سورہ رعد میں: وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ (آیت ۱۳) "گرج اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے"۔ سورہ روم میں ہے: وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آیت ۱۸) "زمین اور آسمانوں میں اس کے لیے حمد ہے"۔ سورہ لقمٰن میں ہے: وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (آیت ۲۵) "اگر تم ان سے پوچھو کہ زمین اور آسمانوں کو کس نے بنایا ہے تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے، کہہ دو کہ اللہ کی ذات تعریف کی سزاوار ہے لیکن اکثر انسان اس حقیقت کو نہیں جانتے"، سورہ انعام میں ہے: فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (آیت ۴۵) "ظلم کرنے والی قوموں کی جڑ کٹ گئی اور تعریف ہے اللہ رب العالمین کے لیے"۔ سورہ تغابن میں ہے: لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ

---

[1] لسان العرب ج ۳ ص ۱۵۵ طبع بیروت ۱۹۵۵ وتاج العروس ج ۸ ص ۲۸ طبع کویت ۱۹۶۶

Marfat.com

شَیْءٍ قَدِیْرٌ (آیت ۱) "سلطنت اسی کی ہے اور اسی کے لیے حمد بھی ہے، وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے"۔

متذکرہ آیات کی روشنی میں غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ اس عالم رنگ و بو کی جس شے میں جو بھی ظاہری یا معنوی حسن و خوبی یا نفع بخشی کی صفت نظر آتی ہے وہ اس کا وصف ذاتی نہیں بلکہ تمام تر عطیۂ خداوندی ہے یعنی وہ اللہ ہی ہے جس نے جملہ اشیائے کائنات کو ہر طرح کے حسن و کمال کا خلعت زیبا عطا فرمایا ہے اس لیے حمد و ستائش کی مستحق کوئی مخلوق شے نہیں بلکہ تنہا ذات باری تعالیٰ ہے جو منبع حسن و کمال اور مصدر خیر و جمال ہے۔

اگر سوال کیا جائے کہ قابل تعریف صانع ہے یا مصنوع تو ہر شخص یہی کہے گا کہ تعریف کے قابل صانع ہے کیونکہ کسی مصنوع میں جو حسن و کمال بھی نظر آتا ہے وہ دراصل صانع کے علم و ہنر کا خارجی اظہار ہوتا ہے۔ ہم شب و روز انسان کے ہاتھوں کی بنائی ہوئی ہزاروں مصنوعات اور ایجادات کو دیکھتے ہیں اور ان کے حسن و جمال سے متاثر بھی ہوتے ہیں لیکن کبھی بھول کر بھی ان مصنوعات کو خراج تحسین پیش نہیں کرتے بلکہ ان کے موجد و صانع کے کمالِ علم و ہنر کی داد دیتے ہیں، لیکن کارگاہِ عالم کی فطری مصنوعات کو دیکھنے کے بعد بہت سے لوگوں کا ردعمل اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے، وہ صانع عالم یعنی اللہ تعالیٰ کی تعریف و تحسین کرنے کے بجائے الٹا مصنوع کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملانے لگتے ہیں۔ اس غلط انداز فکر کی وجہ سے ہر دور میں مشرکین نے چاند اور سورج کی پرستش کی ہے اور آج بھی کر رہے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ چاند اور سورج کا جمال و جلال اور انسانی زندگی کے لیے ان کی نفع بخشی تمام تر ان کا وصف ذاتی ہے۔ انسان کے اس غلط انداز فکر کی اصلاح قرآن مجید نے ان لفظوں میں کی ہے:

وَمِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ؕ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝

(حٰمٓ سجدہ: ۳۷)

"اور اس کی نشانیوں میں سے ہیں رات و دن اور سورج اور چاند۔ سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو بلکہ اس اللہ کو سجدہ کرو جس نے انھیں بنایا ہے اگر تم حقیقت میں اسی کی عبادت کرتے ہو۔

جس طرح چاند اور سورج جیسی مخلوقات سماوی کے سامنے سجدہ گزاری ایک مشرکانہ فعل ہے

Marfat.com

اسی طرح یہ بھی ایک انتہائی گمراہ کن بات ہے کہ ایک انسان اپنے ہی جیسے کسی دوسرے انسان کو محض اس بنا پر کہ وہ غیر معمولی علم وکمال کا مالک ہے، اپنا مرکز عقیدت بنالے اور محبت وتعظیم کے وہ سارے آداب ومراسم جو صرف خالق کائنات کے لیے موزوں ہیں اس کے لیے خاص کردے۔

یہ طرز عمل کسی بندۂ مومن کا ہرگز نہیں ہوسکتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ (بقرہ : ۱۶۵)

کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو خدا کے سوا اوروں کو اس کا مثل ونظیر قرار دیتے ہیں، ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے رکھنی چاہیے اور جو مومن ہیں ان کو اللہ ہی سے زیادہ اور قوی محبت ہوتی ہے۔

اس آیت سے واضح ہوگیا کہ اہلِ ایمان کے دلوں میں سب محبتوں پر اللہ کی محبت غالب ہوتی ہے اور اگر کسی کے دل میں خدا کی محبت سے زیادہ کسی اور کی محبت جاگزیں ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا سینہ نورِ ایمان سے خالی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کائنات بوقلموں میں ہر نوع کی حمد وستائش اور تعظیم ومحبت کی مستحق صرف اللہ رب العزت کی ذات ستودہ صفات ہے۔ کسی مخلوق کو خواہ وہ کوئی انسان ہو خواہ کوئی فرشتہ اور خواہ کوئی اور ہستی، حمد وستائش اور بے قید عقیدت ومحبت کا سزاوار گردانا سراسر مخلوق پرستی ہے۔ کسی خدا پرست انسان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی مخلوق کے حسن وکمال کی قصیدہ خوانی ایسے الفاظ واسلوب میں کرے گویا وہ بذات خود اس حسن وکمال کی مالک ہے۔ ایک خدا پرست انسان اگر کسی مخلوق کی مدح وستائش کرتا بھی ہے تو اس انداز سے کہ اس کے ہر کمال وخوبی کو صاف لفظوں میں خدائے بخشندہ کا لطف وبخشش قرار دیتا ہے۔ اس سے زیادہ کسی مخلوق کی تعریف کرنا "الحمد للہ" کے اقرار کے منافی اور جادۂ توحید سے انحراف کے ہم معنی ہے۔

حمد کے ایک دوسرے معنی جیسا کہ ہم شروع میں بتا چکے ہیں، شکر کے بھی ہیں۔ اس معنی میں یہ لفظ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر استعمال ہوا ہے مثلاً ایک جگہ ہے وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا (اعراف: ۴۳) "اور وہ لوگ کہیں گے کہ شکر ہے اس اللہ کا جس نے ہم کو

Marfat.com

اس مقام تک پہنچایا۔" دوسری جگہ ہے: وقالوا الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن (فاطر:۳۴)
"اور وہ کہیں گے کہ اس خدا کا بڑا شکر ہے جس نے ہمارے رنج وغم کو دور کیا۔"

تفسیر ابن کثیر میں اس سلسلے میں کئی روایتیں عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہیں جن میں سے ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ الحمد للہ شکر کا کلمہ ہے اور بندہ جب الحمد للہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میرا شکر کیا۔[1]

جب ہم نماز میں الحمد للہ کہتے ہیں تو گویا تسلیم کرتے ہیں کہ صرف اللہ ہی ہمارا محسن حقیقی ہے اور اس دنیا میں ہم کو جو نعمتیں بھی حاصل ہیں خواہ وہ مادی نعمتیں ہوں یا غیر مادی، اللہ ہی کی عطا کردہ ہیں، اس کے سوا کوئی دوسرا ہمارا محسن و معطی نہیں ہے۔ اس لیے وہی تنہا اس کا مستحق ہے کہ اس کی تعریف کی جائے اور اس کا شکر بجا لایا جائے۔ حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ جب کبر سنی میں اولاد کی نعمت سے بہرہ ور ہوتے ہیں تو ان الفاظ میں منعم حقیقی کا شکر بجا لاتے ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ ۝ (ابراہیم:۳۹)

شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے کبر سنی میں اسماعیل اور اسحاق (جیسے بیٹے) عطا کیے، بے شک میرا رب بہت زیادہ دعا کا سننے والا ہے۔

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ نے جو غیر معمولی علم و حکمت اور بے مثال ملک و اقتدار عطا فرمایا تھا اس کا اعتراف وہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (نمل:۱۵)

اور ان دونوں نے کہا کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے ہم کو اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت عطا کی۔

خدا کے ان جلیل القدر پیغمبروں کا یہ طرز عمل بتاتا ہے کہ ایک مومن خدا ہی کو اپنا منعم و

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۲، مطبوعہ مصر ۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۷ء

Marfat.com

محسن سمجھتا ہے اور جو کچھ مانگنا ہوتا ہے اسی سے مانگتا ہے اور مقصود دعا کے حصول کے بعد اسی کا شکر بجالاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص کسی نعمت سے بہرہ ور ہو کر خدا کے علاوہ کسی دوسرے کا شکر بجالاتا ہے یا خدا کے ساتھ کسی اور کو بھی شکریہ کا مستحق سمجھتا ہے وہ فعل شرک کا مرتکب ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید کی درج ذیل آیات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے:

فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ۝ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (اعراف: ۱۸۹ تا ۱۹۴)

پھر جب مرد نے عورت کو ڈھانک لیا تو اسے ایک خفیف سا حمل رہ گیا جسے وہ لیے ہوئے چلتی پھرتی رہی پھر جب وہ بوجھل ہو گئی تو دونوں (مرد اور عورت) نے مل کر اللہ سے جو ان کا پروردگار اور مالک ہے، دعا کی کہ خدایا اگر تو ہمیں ایک تندرست اور بے عیب بچہ عطا فرمائے تو ہم تیرے شکر گزار ہوں گے۔ مگر جب اللہ نے ان کو ایک صحیح و سالم بچہ دیدیا تو خدا کی بخشی ہوئی اس نعمت میں دوسروں کو اس کا شریک ٹھہرانے لگے اللہ کی ذات بہت بلند و برتر ہے ان مشرکانہ باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں کیا یہ لوگ خدا کے ساتھ اُن ہستیوں کو شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو بھی پیدا نہیں کرتے بلکہ خود کسی کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ ان میں نہ تو اس کی طاقت ہے کہ ان کی مدد کریں نہ اس کی کہ خود اپنی ذات کو مدد پہنچائیں۔ اگر تم ان کو راہِ راست کی طرف بلاؤ تو تمہارے کہنے پر نہ چلیں (یعنی اگر تم ان سے رہنمائی کی درخواست کرو تو وہ تمہاری رہنمائی نہیں کر سکتے) خواہ تم انھیں پکارو یا چپ رہو، تمہارے لیے دونوں باتیں (باعتبار نتیجہ) یکساں ہیں۔

Marfat.com

(نادانو) تم خدا کے سوا جن ہستیوں کو (حاجت روائی کے لیے) پکارتے ہو وہ بھی تمہاری ہی طرح (اس کے) بندے ہیں۔ اگر تم (اپنے اس خیال میں) سچے ہو (کہ یہ خدائی اختیارات کے مالک ہیں) تو (اپنی احتیاجوں میں) ان کو پکارو اور پھر ان کو چاہئے کہ تمہارا کہنا کردیں۔

یہاں یہ بات بھی جان لیں کہ شکر میں تین چیزیں داخل ہیں، اوّل منعم حقیقی کا اعتراف واقرار کرنا، دوم منعم کی بے حد تعریف وتوصیف کرنا، سوم بخشی ہوئی نعمت کو منعم حقیقی کی مرضی کے مطابق استعمال کرنا۔ اگر حمد الٰہی میں یہ تینوں باتیں شامل نہیں ہیں تو اس پر حقیقی معنی میں حمد کا اطلاق نہ ہوگا۔

ربّ العٰلمین

عام طور پر مفسرین نے رب کا ترجمہ مربی اور پروردگار کیا ہے لیکن اس کے دوسرے لغوی معانی بھی ہیں اور جب تک ان تمام معانی کو پیش نظر نہ رکھا جائے رب کا حقیقی اور وسیع تر مفہوم متعین نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اس لفظ کے لغوی اور قرآنی معانی کو ٹھیک طور پر متعین کرلیا جائے۔

رب کا لفظ اصل میں رب یربُّ کا مصدر ہے جس کے اصل معنی تربیت کے ہیں اور پھر مبالغہ کے لیے عدل کی طرح بطور وصف استعمال کیا جانے لگا۔ امام راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ رب مصدر ہے جو فاعل کے لیے مستعار ہے تربیت کی تعریف انھوں نے ان الفاظ میں کی ہے:

ھو انشاء الشیء حالاً فحالاً الی حد التمام[1]	کسی چیز کو درجہ بدرجہ اس طرح نشوونما دیتے رہنا کہ وہ حد کمال کو پہنچ جائے۔

رب ولدہ و (الصبیّ) یُربُّہ ربًّا۔ (ربّاہ) کے معنی ہیں کہ اس نے بچے کی عمدہ پرورش وتربیت کی، نگرانی کی یہاں تک کہ وہ طفولیت کی حد سے نکل کر بالغ ہوگیا، حسان بن ثابت کا شعر ہے:

من دُرّۃ بیضاء صافیہ ۔۔۔ مما تربّب حاشر البحر[2]

---

[1] المفردات فی غریب القرآن، ص۱۸۲ مطبوعہ مصر

[2] تاج العروس ج ۲ ص۴۶۵، مطبوعہ کویت ۱۹۶۶ء

Marfat.com

"ممدوح اس صاف اور سفید موتی سے بھی زیادہ خوبصورت ہے جس نے سمندر کی گہرائی میں پرورش پائی۔"

رب کے ایک دوسرے معنی آقا اور مالک کے ہیں جو دراصل پرورش و تربیت کا لازمی تقاضا ہے۔ تاج العروس میں ہے:

"رب کل شئ: مالکه ومستحقه اوصاحبه یقال: فلانٌ ربُّ هٰذا الشئ ای ملکُه له، وکل من ملك شیئًا فهو ربّه، یقال: هو رب الدابة ورب الدار وفلانة ربّة البیت، وهنّ ربّاتُ الحجال، وفی حدیث اشراط الساعة "اَن تلد الامةُ ربّتها وربّها"، اراد به المولی والسید یعنی اَنّ الامَة تلِدُ لسیدها ولدًا فیکون کالمولی لها لانه فی الحسب کابیه۔ وفی حدیث اجابة الدعوة "اللهم ربّ هٰذه الدعوة" ای صاحبها"[1]

"ہر چیز کا رب یعنی اس کا مالک، کہا جاتا ہے: فلاں اس چیز کا رب ہے یعنی وہ اس کی ملکیت میں ہے۔ جو شخص کسی چیز کا مالک ہے وہ اس کا رب ہے۔ کہا جاتا ہے: رب الدابّہ (جانور کا مالک) ربّ الدار (گھر کا مالک) ربّۃ البیت (گھر کی مالکن) ربّات الحجال (پردہ نشین عورتیں) قرب قیامت کی علامات والی حدیث میں ہے: لونڈی ربّۃ اور رب جنے گی، مراد آقا اور سید ہیں، مطلب یہ ہے کہ لونڈی اپنے آقا کے لیے بچہ جنے گی اور وہ بھی اس کے لیے آقا کی طرح ہوگا کیونکہ وہ حسب میں باپ کی مثل ہوگا۔ قبول دعوت کی حدیث میں ہے: اے اللہ اس دعوت کے رب یعنی صاحب دعوت۔"

تاج العروس ہی میں ابو منصور کا یہ قول نقل ہوا ہے کہ لغت میں رب کے معنی مالک سید، مدبّر، مربّی اور متمّم کے آتے ہیں، اور ابن الانباری کا یہ قول بھی درج ہے کہ رب کے تین

---

[1] تاج العروس ج ۲ ص ۴۶۰

۱۴۵۶۲۷

Marfat.com

معنی ہیں: ایک مالک، دوسرے سید جس کی اطاعت کی جائے اور تیسرے مصلح[1]۔ سید مطاع کے معنی میں لبید بن ربیعہ کا شعر ہے:

واھلکن ربّ[2] کندہ وابنہ ورب معدٍ بین خبتٍ وعرعر[3]

قرآن مجید میں رب کا لفظ آقا و مالک کے معنی میں متعدد جگہوں پر آیا ہے، سورہ قریش میں ہے: فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ "اس گھر کے مالک کی بندگی کرو"۔ سورہ یوسف میں یہ لفظ غیر خدا کے لیے مکرّر استعمال ہوا ہے اور ہر جگہ اس کے معنی آقا اور مالک کے ہیں مثلاً ایک جگہ آیا ہے: فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ (آیت: ۵۰) "پس جب قاصد اس کے پاس آیا تو اس نے (یوسفؑ) کہا: واپس اپنے آقا کے پاس جاؤ اور اس سے معلوم کرو کہ ان عورتوں کا کیا معاملہ ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔"

دوسری جگہ ہے: فَاَنْسٰهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ (آیت: ۴۲) "پھر شیطان نے اس کو بھلا دیا کہ وہ اپنے آقا سے اس کا ذکر کرے جس کے نتیجے میں وہ چند سال اور قید میں پڑا رہا"۔

اکثر مفسرین کا بھی یہی خیال ہے۔ بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں امام خطابی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "بہت سے مفسرین نے آیۂ کریمہ الحمد للہ رب العٰلمین کی تفسیر میں رب کے معنی سید یعنی آقا کے بیان کیے ہیں"[4]۔

لغت، قرآن مجید اور مفسرین کی تشریحات سے واضح ہو گیا کہ رب کے معنی پرورش کنندہ کے ساتھ آقا و مالک کے بھی ہیں جو دراصل پرورش کا لازمی تقاضا ہے۔ پہلے فقرہ (الحمد للہ) میں جس اللہ کو ہر طرح کی حمد کا سزاوار قرار دیا گیا ہے اس دوسرے فقرے (رب العٰلمین) میں اس کی

---

[1] تاج العروس ج ۲ ص ۴۰۹، ۴۶۴

[2] رب کندہ سے شاعر کی مراد حجر ابو امری القیس اور رب معد سے حذیفہ بن بدر ہیں۔

[3] خبت و عرعر، دونوں جگہ کے نام ہیں (تفسیر طبری ج ۱ ص ۱۳۷)

[4] کتاب الاسماء والصفات ص ۵۶

Marfat.com

ایک بڑی صفت یعنی ربوبیت کا ذکر ہوا ہے جس سے علت حمد کی وضاحت بھی ہو جاتی ہے۔ یہ فقرہ بتاتا ہے کہ اللہ کی ذات بے ہمتا اس لیے ہر نوع کی حمد و ستائش کی مستحق ہے کہ وہ جملہ مخلوقات عالم کی رب یعنی پرورش کنندہ ہے۔ یہ ایک امر واقعہ ہے کہ اس کی ربوبیت کا فیض اس کائنات کے گوشہ گوشہ میں جاری ہے، ادنیٰ سے اعلیٰ تمام ذی حیات اشیاء کی پیدائش، ان کی نشو و نما اور ایک وقت مقررہ (اجل مسمیٰ) تک ان کی بقا کے جملہ لوازم کا انتظام جو ہستی کر رہی ہے وہ اللہ ہے۔ یہ کائنات کی ایک ایسی بدیہی حقیقت ہے جو کسی صاحب عقل و ہوش انسان پر زیادہ دیر تک مخفی نہیں رہ سکتی ہے۔ اور جب صورت حال یہ ہے یعنی ہر شے مخلوق اور اپنے وجود و بقا کے لیے اسی ایک ذات واجب الوجود کی محتاج ہے تو پھر انسانوں کا مالک و آقا اس کے سوا اور کون ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اس حقیقت کی طرف انسانوں کی توجہ کو مبذول کرایا گیا ہے مثلاً ایک جگہ ارشاد ہے:

يَاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۖ وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (بقرہ: ۲۱-۲۲)

اے لوگو، اپنے رب کی بندگی کرو جس نے تم کو اور ان لوگوں کو بھی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں، پیدا کیا تاکہ تم (غلط روی سے) بچو۔ اور جس نے زمین کو تمہارے لیے فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور اوپر سے پانی برسایا پھر اس سے پھل پیدا کیے تمہارے لیے بطور غذا۔ (اس خلق اور رزق کا تقاضا ہے کہ) تم دیدہ و دانستہ اللہ کے مقابل نہ ٹھہراؤ۔

اس تقاضائے ربوبیت کو ہم یہاں ایک مثال سے واضح کرتے ہیں۔ ہر ایک باپ (بشمول ماں) اپنے بیٹے کی پرورش اور اس کی تعلیم و تربیت کے لیے ہر طرح کی تکلیفیں خوشی خوشی اٹھاتا ہے، اپنی گاڑھی کمائی کا ایک ایک پیسہ اس کے آرام و راحت پر خرچ کرتا ہے حتیٰ کہ اس کے آرام کے لیے خود اپنے آرام و سکون کو بھول جاتا ہے۔ اس ایثار مسلسل کے نتیجے میں ایک دن ایسا آتا ہے جب بیٹا اپنے پیروں پر کھڑا ہو جاتا ہے اور باپ کی مدد سے مستغنی ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

کیا باپ کی محبت وایثار کا یہ لازمی تقاضا نہیں ہے کہ بیٹا بڑا ہو کر اس کو اپنا محسن ومربی سمجھے اور حتی المقدور اس کا فرماں بردار بنے لیکن اگر وہ بڑا ہو کر اس کے علاوہ کسی دوسرے کو اپنا محسن ومربی قرار دے لے، اس سے دلی محبت رکھے، اس کی تعظیم وتکریم کرے اور اپنی کمائی بھی اس کے حوالے کردے تو اس کا یہ طرز عمل یقیناً غلط قرار پائے گا اور ہر شخص اسے احسان ناشناس کہے گا۔ تقاضائے ربوبیت کی یہ ایک ادنیٰ مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احسانات بے پایاں کا تقاضا ہے کہ بندے اسی کو اپنا محسن ومربی اور آقا ومالک سمجھیں اور ہر نوع کے شکر وستائش کا حقیقی سزاوار اسی کو جانیں اور اسی کے حکم وہدایت کے مطابق زندگی گزاریں۔ اللہ کو رب ماننے کا یہی مفہوم ہے۔

الرحمٰن الرحیم

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی ایک دوسری اہم صفت رحمت کا ذکر ہوا ہے۔ رحمت کے معنی بیان کرتے ہوئے امام راغب فرماتے ہیں:

"رحمت وہ رقت ہے جو مرحوم (یعنی جس پر رحم کیا جائے) کی طرف احسان کی مقتضی ہو۔ کبھی اس کا استعمال صرف رقت کے معنی میں ہوتا ہے اور کبھی صرف احسان کے معنی میں جو رقت سے خالی ہو جیسے رحم اللہ (اللہ نے فلاں پر رحم کیا) اس لفظ کا استعمال جب ذات باری تعالیٰ کے لیے کیا جائے گا تو اس سے صرف احسان کے معنی مراد ہوں گے رقت کے معنی مراد نہ ہوں گے۔ اسی لیے مروی ہے کہ اللہ کی طرف سے رحمت، انعام اور فضل ہے اور آدمیوں کی طرف سے رقت وشفقت ہے۔"[1]

مولانا ابوالکلام آزادؒ نے اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

"عربی میں رحمت، عواطفت کی ایسی رقت ونرمی کو کہتے ہیں جس سے کسی دوسری ہستی کے لیے احسان وشفقت کا ارادہ جوش میں آجائے پس رحمت

---

[1] مفردات ص۱۹۰

Marfat.com

میں محبت، شفقت، فضل، احسان سب کا مفہوم داخل ہے اور مجرّد محبت، لطف اور فضل سے زیادہ وسیع اور حاوی ہے۔"[1]

لفظ رحمت کی معنوی تشریح کے بعد رحمٰن اور رحیم کے لغوی معنی و مفہوم کا تعیّن بھی ضروری ہے۔ ان دونوں لفظوں کے مفہوم کی تعیین میں علمار تفسیر کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان اختلافات کا ذکر یہاں بے محل ہوگا۔ اس سلسلے میں صحیح بات یہ ہے کہ لفظ رحمان فعلان کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے۔ عربی میں فعلان کا وزن ان صفات کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جن میں جوش و ہیجان کا پہلو غالب ہوتا ہے لیکن فعلی ظہور ان کے لیے ضروری نہیں ہے مثلاً خوب پیٹ بھرے شخص کو شبعان، غصے میں بھرے ہوئے کو غضبان، بہت زیادہ پیاسے کو عطشان اور مست کو سکران کہا جاتا ہے۔ اور رحیم کا لفظ فعیل کے وزن پر صفت کا صیغہ ہے بمعنی فاعل۔ عربی میں فعیل کا وزن ان صفات کے لیے بولا جاتا ہے جن میں دوام و استمرار اور پائیداری ہوتی ہے اور فعلی ظہور ان کے لیے ضروری ہے مثلاً کرم کرنے والے کو کریم، علم رکھنے والے کو علیم اور قدرت رکھنے والے کو قدیر کہا جاتا ہے۔[2]

اس سلسلے میں لسان العرب میں ازہری اور جوہری کے دو مذکور قول بھی قابل ذکر ہیں۔ ازہری نے کہا ہے کہ فعلان مبالغہ کا صیغہ ہے جس سے وصف میں مبالغہ مراد ہوتا ہے۔ رحمٰن فعلان کے وزن پر ہے اور اس کی رحمت ہر چیز کو محیط ہے اس لیے خدا کی ذات کے علاوہ کسی دوسرے کو رحمان نہیں کہا جا سکتا، لیکن رحیم کا لفظ غیر اللہ کے لیے استعمال ہو سکتا ہے مثلاً رجلٌ رحیمٌ کہہ سکتے ہیں۔ جوہری نے کہا ہے کہ رحمان و رحیم دو اسم ہیں اور یہ رحمت سے مشتق ہیں اور اس کی نظیر لغت میں ندیم اور ندمان جیسے الفاظ ہیں۔ دونوں مبالغے کے صیغے ہیں لیکن رحمان میں بمقابلہ رحیم کے زیادہ مبالغہ ہے، اور رحیم غیر اللہ کے لیے استعمال ہو سکتا ہے۔"[3]

اس لغوی تشریح سے واضح ہو گیا کہ رحمان کا لفظ ذات باری تعالیٰ کی بے پایاں رحمت

---

[1] ترجمان القرآن ج ۱ ص ۸۳ مطبوعہ نئی دہلی ۱۹۶۴ء [2] صفوۃ التفاسیر ج ۱ ص ۲۵ طبع قطر ۱۹۸۱ء

[3] لسان العرب ج ۱۲ ص ۲۳۰-۲۳۱، طبع بیروت ۱۹۵۶

Marfat.com

کو ظاہر کرتا ہے اور رحیم کا لفظ اس بے انتہا رحمت کے فعلی ظہور پر دلالت کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنی ذات ہی میں رحیم واقع نہیں ہے بلکہ اس کی یہ رحمت اپنی نمود بھی رکھتی ہے اور کائنات کا ایک ایک ذرہ روزِ ازل سے اس کی رحمت بے کراں سے برابر فیضیاب ہو رہا ہے۔

رحمان اور رحیم کی اس معنوی تشریح کے ساتھ ان کے صفاتی مفہوم کو بھی جان لیں۔ پہلی آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہر طرح کی حمد و شکر کا سزاوار صرف اللہ تعالیٰ ہے اور وہی بلا شرکت غیرے اس کائنات کا پروردگار، آقا اور مالک ہے۔ اور اس دوسری آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ جو خدا اس کائنات خلقت کا خالق و مالک ہے وہ اپنی ذات اور صفات دونوں میں بے اندازہ رحیم و کریم ہستی ہے اور اس کی ربوبیت عامہ دراصل اس کی رحمت کا ایک فعلی ظہور ہے۔

خدا کی رحمت کے واقعات و مظاہر کا شمار و بیان مشکل ہے۔ اگر ایک انسان صرف اپنے وجود میں غور و فکر کرے تو آثار رحمت کی کثرت دیکھ کر حیران رہ جائے گا۔ ایک مقررہ مدت تک رحم مادر میں اس کی تخلیق و پرورش کے حیرت انگیز مناہج و مدارج، پیدائش کے بعد بقائے حیات کے لیے فطری غذا اور دوسرے اسباب راحت کا انتظام، نشو و نما کے طویل مرحلہ میں ماں باپ کی غیر معمولی سعی و شفقت، جوانی کی اُمنگوں کی تکمیل کے لیے اس وسیع زمین پر پھیلے ہوئے ناقابل شمار وسائل و ذخائر وغیرہ اس کی رحمت بے پایاں کے کھلے ہوئے مظاہر ہیں۔

خالق حقیقی کے اس بے پایاں لطف و رحمت کے باوجود انسانوں کا رویہ ناشکری کا ہے۔ ان میں ایسے نادان بھی ہیں جو اس کے وجود ہی کے منکر ہیں اور جو منکر نہیں ہیں ان کی بھی ایک بڑی تعداد اس کے احکام و ہدایات سے بے پروا ہو کر فسق و فجور میں مبتلا ہے حتیٰ کہ کھلے عام بے حیائی اور بے شرمی کے افعال ان سے سرزد ہو رہے ہیں لیکن ان سب کے باوجود اس کا نظام ربوبیت کسی ادنیٰ تفریق کے بغیر ان کی پرورش و پرداخت میں سرگرم کار ہے۔ یہ نظام ربوبیت کبھی وقوع میں نہ آتا اگر وہ ہستی بے اندازہ رحیم و کریم نہ ہوتی۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت کا ذکر ہوا ہے مثلاً ایک جگہ ہے:

قُلْ لِمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ

Marfat.com

الرَّحْمَةَ ؕ (انعام : ۱۲)

(اے پیغمبر ان لوگوں سے) پوچھو: آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ کس کا ہے؟ کہہ دو، اللہ کا ہے جس نے رحمت کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔

دوسری جگہ ہے:

وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ ؕ (اعراف : ۱۵۶)

اور میری رحمت (کائنات کی) ہر چیز کو محیط ہے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر خدا سراپا رحمت ہے تو قرآن مجید میں متعدد مقامات پر جو اس کو شدید العقاب (مائدہ : ۹۹) سریع العقاب (اعراف: ۱۶۷) اور ذوانتقام (آل عمران : ۴) وغیرہ کہا گیا ہے اس کی کیا توجیہہ کی جائے گی اور کیا غصہ و انتقام اور رحمت میں تناقض نہیں ہے؟

یقیناً قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کو شدید العذاب اور ذوانتقام کہا گیا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ رحیم نہیں ہے۔ اس کی صفات غضب و رحمت میں جو تناقض اور مغائرت نظر آتی ہے وہ بالکل ظاہری ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر غضب جوش نفسانی کا نتیجہ نہ ہو تو وہ رحمت ہی کا ایک پہلو ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات عوارض نفسانی سے کلیۃً منزہ نہیں ہے۔ خدا کے غضب کی حقیقت کو میں یہاں ایک مثال سے واضح کروں گا۔ اگر ایک باپ اپنے خطا کار بیٹے کو اس کی خطا کاریوں پر کوئی جسمانی سزا دیتا ہے تو بظاہر یہ ایک سنگدلانہ فعل معلوم ہوگا لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ باپ نے بیٹے کو سزا دے کر کسی قسم کی بے رحمی کا مظاہرہ کیا ہے۔ ہر شخص یہی کہے گا کہ باپ کی سخت سزا بیٹے کے حق میں رحمت اور خود باپ کے رحیم ہونے کی دلیل ہے۔ اس کی سزا اس بات کا واقعی ثبوت ہے کہ وہ اپنے بیٹے سے سچی محبت رکھتا ہے اور دل سے چاہتا ہے کہ وہ غلط روی سے باز آجائے تاکہ ہلاک و برباد نہ ہو، اس کے برخلاف اگر کوئی باپ اپنے بیٹے کی غلط کاریوں اور اس کی نازیبا حرکات کو دیکھ کر بھی اس کو تنبیہ و تہدید نہیں کرتا ہے تو اس سے یہی سمجھا جائے گا کہ اسے اپنے بیٹے سے فی الواقع کوئی محبت نہیں اور اس کی تباہی و بربادی کا اسے مطلق غم نہیں ہے۔

Marfat.com

اس ایک چھوٹی سی مثال پر آپ خدائے تعالیٰ کے قہر و غضب کو قیاس کر سکتے ہیں۔ وہ یقیناً کبھی کبھی اپنے بندوں کو مصائب و آلام میں مبتلا کرتا ہے لیکن اس لیے نہیں کہ وہ سنگ دل اور بے مروت ہے بلکہ اس لیے کہ وہ نہایت رحیم ہے۔ اس کی رحمت کا عین اقتضا ہے کہ وہ مختلف قسم کے حادثاتِ ارضی و سماوی کے ذریعہ اپنے بندوں کو برابر متنبہ کرتا رہے تاکہ وہ خواب غفلت سے بیدار ہوں اور توبہ و انابت کی روش اختیار کر کے دنیا اور آخرت دونوں میں برے اعمال کے تباہ کن نتائج سے بچ جائیں۔ اس حقیقت کی طرف قرآن مجید میں متعدد مقامات پر واضح اشارے کیے گئے ہیں مثلاً ایک جگہ ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ۝ (انعام: ۴۲)

تم سے پہلے بہت سی قوموں کی طرف ہم نے رسول بھیجے پھر ان کو تنگ دستی اور مصائب میں مبتلا کیا تاکہ وہ عاجزی اختیار کریں۔

دوسری جگہ ہے:

وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ (اعراف: ۱۶۸)

ہم نے ان کو اچھے اور برے (دونوں طرح کے) حالات سے برابر آزمایا شاید کہ وہ باز آجائیں۔

ایک اور مقام پر ہے:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ (روم: ۴۱)

خشکی و تری میں فساد برپا ہو گیا ہے لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے تاکہ ان کو ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے شاید کہ وہ باز آجائیں۔

بعض کوتاہ نظر لوگ کہتے ہیں کہ اس دنیا میں ظلم و استحصال اور غربت و افلاس کے جو اندوہناک اور دلدوز مناظر دکھائی دیتے ہیں ان سے خدا کے رحیم ہونے کی نفی ہوتی ہے۔ اور بعض تیرہ باطن اسی بنیاد پر خدا کے وجود تک کا انکار کر بیٹھتے ہیں۔ اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ جان

Marfat.com

لینے کی ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے جمادات و نباتات کی طرح مطلقاً پابند و مجبور نہیں بنایا ہے بلکہ اسے ایک حد کے اندر آزادیٔ عمل بخشی ہے یعنی اسے اس بات کا اختیار دیا ہے کہ وہ اپنے معاشرتی، معاشی اور سیاسی امور و معاملات کی تنظیم خواہ خدا کے نازل کردہ قانون (وحی) کے مطابق کرے اور خواہ وحی کو نظر انداز کر کے محض اپنی عقل سے اپنی مرضی کے مطابق جو قانون چاہے وضع کرے اور اس کی پیروی کرے۔ اس آزادیٔ عمل کے ساتھ اسے یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ خدا کے نازل کردہ قانون (دین) کی پیروی میں اس کے لیے اس دنیا میں بھی آرام و راحت ہے اور آخرت میں بھی اور وحی کو نظر انداز کر کے قانون سازی کی صورت میں دنیا اور آخرت دونوں میں اسے مصائب سے دوچار ہونا پڑے گا۔

آج دنیا میں ظلم و استحصال اور غربت و افلاس کے جو دل گداز واقعات ملتے ہیں وہ خدا کے قانون (وحی) سے انحراف و بغاوت کے نتائج ہیں دوسرے لفظوں میں وحی سے بے نیاز عقل کی قانون سازی کے ثمرات تلخ ہیں۔ یہ خدا کا ظلم نہیں بلکہ خود انسان کا اپنے آپ پر ظلم ہے۔ یہ تو اللہ کی رحمت ہے کہ وہ بغاوت و سرکشی کے بعد بھی اس کے ساتھ عفو و بخشش کا معاملہ کرتا ہے، قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا ہے:

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝

(شوریٰ: ۳۰)

تم پر جو مصیبت بھی آئی ہے تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے آئی ہے اور بہت سے قصوروں سے تو وہ درگزر کر جاتا ہے۔

دوسری جگہ ہے:

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ (رعد: ۶)

بے شک تمہارا رب انسانوں کے ظلم و سرکشی کے باوجود ان کے ساتھ عفو و بخشش کا معاملہ کرتا ہے۔

اس دنیا میں خدا کی رحمت و بخشش کا قانون سب کے لیے یکساں ہے لیکن روز آخرت یہ صورت حال تبدیل ہو جائے گی۔ اس دن خدا کی رحمت کے مستحق صرف وہ بندے

Marfat.com

ہوں گے جنھوں نے دنیا میں حتی الوسع اس کے احکام کے مطابق زندگی گزاری ہوگی، نافرمان اور سرکش بندے اس دن رحمت الٰہی سے محروم ہوں گے، قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا ہے:

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ۝ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ، وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ، وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ۝ (آل عمران: ۱۹۶ تا ۱۹۸)

اے نبی، شہروں میں منکرین خدا کی چلت پھرت تمہیں کسی مغالطہ میں نہ ڈال دے۔ چند روزہ بہار ہے پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا جو بدترین مقام ہے، لیکن جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈریں (یعنی اس کے احکام کی نافرمانی سے بچیں) ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کی طرف سے نوازش ہوگی اور جو چیزیں خدا کے پاس ہیں وہ نیکوکاروں کے لیے بدرجہا بہتر ہیں۔

دوسری جگہ ہے:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ، قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ، وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

(بقرہ: ۱۲۶)

"اور جس وقت ابراہیم نے دعا کی: اے میرے پروردگار اس شہر کو امن کا شہر بنا اور اس کے باشندوں میں سے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہوں انھیں پھلوں کا رزق عطا فرما۔ (اللہ نے) فرمایا: اور جو کفر کی راہ اختیار کرے گا اس کو بھی تھوڑے دنوں متاع دنیا سے نوازوں گا پھر اسے عذاب دوزخ کی طرف کشاں کشاں لے جاؤں گا۔ اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

آج ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے مسلمان شب و روز کی بداعمالیوں اور خدا کی نافرمانیوں کے باوجود اس کی رحمت پر تکیہ کیے بیٹھے ہیں کہ روز آخرت اللہ انھیں ضرور معاف کردے گا

Marfat.com

کہ وہ بڑا رحیم وکریم ہے۔ رحمت کے اس غلط تصور کو فروغ دینے میں دنیا پرست علماء، بے راہرو شعراء[1] اور قوالوں نے بہت حصہ لیا ہے۔ یہ وہی طرز عمل ہے جس کا مظاہرہ کبھی یہودی قوم اور اس کے علماء کر چکے ہیں، قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر آیا ہے:

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَ يَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ۝ (اعراف: ۱۷۰)

پھر ان کے بعد ان کے جانشین ایسے لوگ ہوئے جنھوں نے ان سے کتاب (تورات) کو حاصل کیا۔ یہ لوگ دنیائے دنی کی حقیر متاع کو (حکم کتاب کے عوض) لے لیتے ہیں اور (اس گناہ کو حقیر سمجھ کر) کہتے ہیں کہ ہماری ضرور مغفرت ہو جائے گی حالانکہ اگر ان کے پاس وہی مال ومتاع پھر آجائے تو اس کو بھی لے لیتے ہیں۔ کیا ان سے کتاب کا یہ عہد نہیں لیا گیا ہے کہ اللہ کی طرف حق بات کے سوا کوئی اور بات منسوب نہ کریں گے۔ اور کتاب میں جو کچھ لکھا ہے وہ اس کو پڑھ بھی چکے ہیں۔ اور آخرت والا گھر ان لوگوں کے لیے (اس دنیا سے) بہتر ہے جو برے کاموں سے احتراز کرتے ہیں، (اے علماء یہود) کیا تم اس بات کو نہیں سمجھتے؟ اور جو لوگ کتاب کو مضبوطی کے ساتھ پکڑتے ہیں اور جو نماز قائم کرتے ہیں، ہم ایسے لوگوں کا اجر ضائع نہ کریں گے جو اپنی اصلاح کرنے والے ہیں۔

خدا کی رحمت کے بارے میں اکثر لوگ اس لیے غلط فہمی میں پڑ جاتے ہیں کہ وہ اس کو

---

[1] ملے گا موقع تو روز محشر میں روک لوں گا عتاب تیرا۔
پڑھوں گا رحمت کا وہ قصیدہ کہ ہنس پڑے گا عذاب تیرا (جوش)

Marfat.com

انسانوں کے جذبۂ ترحّم پر قیاس کرتے ہیں جو اکثر عدل و قسط کی حدود سے تجاوز کر جاتا ہے۔ لیکن خدا رحیم ہونے کے ساتھ عادل بھی ہے اور یہی صفت عدل اس کی صفت رحمت کو متوازن اور بامعنی و بامقصد بناتی ہے۔ دنیا اگر اس کی رحمت کا پرتو ہے تو آخرت اس کی صفت عدل کے ظہور کا دوسرا نام ہے جہاں اس کے قانون عدل کے مطابق انسانوں کے دنیوی اعمال کے نتائج کی صورت گری ہوگی۔ اس تصور عدالت کے ساتھ ان تمام خوش خیالیوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے جن میں بکثرت لوگ اس کی صفت رحمت کے غلط تصوّر کی وجہ سے ہر دور میں مبتلا ہوتے رہے ہیں۔ اس پر تفصیلی گفتگو آگے آرہی ہے۔

مالک یوم الدین

یہ سورہ فاتحہ کی تیسری آیت ہے اور معنوی اعتبار سے پہلی دو آیات سے مربوط ہے، لیکن اس کا مفہوم بیان کرنے سے پہلے ہم مالک اور یوم الدین کے لغوی و اصطلاحی مفہوم کی وضاحت کریں گے۔

مالک کا لفظ ملک سے بنا ہے اور ملک کے معنی ہیں مالک ہونا۔ جس کے قبضہ میں کوئی چیز ہو تو وہ اس کا مالک ہے مثلاً مالک الدراہم اور مالک الثوب[1]۔ قرآن مجید میں اس کے استعمالات سے بھی اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے مثلاً وَمَا ملکت ایمانہم "جن کے مالک تیرے دائیں ہاتھ ہوئے یعنی جو تیرے ماتحت اور قبضے میں ہوں۔ سورہ نحل میں ہے: ویعبدون من دون اللہ مالا یملک لہم رزقًا من السمٰوٰت والارض شیئًا ولا یستطیعون (آیت ۷۳) "وہ ان کی بندگی کرتے ہیں جن کے قبضہ قدرت میں زمین اور آسمانوں کے خزانۂ رزق میں سے کوئی شے بھی نہیں ہے"۔ اسی سورہ میں آگے فرمایا ہے: ضرب اللہ عبدًا مملوکًا لا یقدر ون علی شیء۔ اس میں مملوک کی تشریح لا یقدر ون علی شیء کے الفاظ نے کر دی یعنی وہ جو کسی شے پر بھی مالکانہ قبضہ و اختیار نہ رکھتا ہو۔ سورہ یٰسٓ میں ہے: اولم یروا انا خلقنا لہم

---

[1] لسان العرب ج ۱۰ ص ۴۹۱ طبع بیروت ۱۹۵۶ء

Marfat.com

مما عملت ایدینا انعاماً فھم لھا مالکون ہ وذللنٰھا لھم فمنھا رکوبھم ومنھا یاکلون (آیات: ۷۱، ۷۲) "کیا ان لوگوں نے اس پر نظر نہیں کی، ہم نے ان کے لیے اپنے ہاتھ کی ساختہ چیزوں میں چوپائے پیدا کیے جن کے اب وہ مالک ہیں اور ہم نے ان چوپایوں کو ان کے تابع فرمان کر دیا ہے، پس وہ بعض پر سواری کرتے ہیں اور بعض کو بطور غذا استعمال میں لاتے ہیں"۔ اس آیت میں وذللنٰھا لھم کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مالک وہ ہے جس کے تابع دوسرا ہو جائے اور اسے اس پر تصرف کے جملہ اختیارات حاصل ہوں۔

دین کے معنی لغت میں متعدد ہیں، مثلاً: غلبہ، اقتدار، ملکیت، قدرت، حکم، مذہب ملّت، حالت، عادت، سیرت، تدبیر، نافرمانی، گناہ، پرہیزگاری، فرماں برداری، بدلہ، ذلت۔ کہتے ہیں: قوم دینٌ "اطاعت شعار لوگ"[1]

لسان العرب میں ہے:

"الدّیان: القہار، وقیل الحاکم والقاضی. وھو فعالٌ من دان الناس ای قہرھم علی الطاعۃ. یقال: دنتھم فدانوا ای قہرتھم فاطاعوا؛ ومنہ شعر الاعشی الحرمازیّ یخاطب سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

یاسید الناس ودیّان العرب

وفی حدیث ابی طالب: قالہ علیہ السلام: اُرید من قریش کلمۃ تدین لھم بھا العرب ای تطیعھم وتخضع لھم"[2]

"دیّان بمعنی قہار یعنی حاکم وقاضی کے معنی میں۔ یہ دان الناس سے فعّال کے وزن پر ہے جس کا مطلب ہے لوگوں کو مغلوب و مطیع بنانا۔ کہا جاتا ہے: دنتھم فدانوا یعنی میں ان پر غالب آیا تو وہ مطیع ہو گئے۔ اعشی حرمازی کا شعر ہے: یاسید الناس ودیّان العرب

---

[1] منجد [2] لسان العرب ج ۱۳ ص ۱۶۶-۱۶۷ مطبوعہ بیروت ۱۹۵۶ء

Marfat.com

"اے لوگوں کے آقا اور عرب پر غالب ہونے والے یعنی سردار و حاکم۔ ابوطالب سے جو حدیث مروی ہے اس میں آنحضورؐ کا ارشاد ہے: میں قریش سے صرف ایک بات کا اقرار چاہتا ہوں جس کے نتیجے میں سارا عرب ان کا مطیع و تابع فرمان ہو جائے گا۔"

قرآنِ مجید میں یہ لفظ چار معنوں میں استعمال ہوا ہے:

● جزا کے معنی میں: یومئذ یوفیھم اللہ دینھم الحق (نور: ۲۵) "اس روز اللہ تعالیٰ ان کو واجبی بدلہ پورا پورا دے گا۔"

● ضابطۂ حیات کے معنی میں: لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغیّ (بقرہ: ۲۵۶) "دین میں کوئی جبر و اکراہ نہیں ہے، ہدایت، گمرہی سے ممتاز ہو چکی ہے۔"

● قانون کے معنی میں: ما کان لیاخذ اخاہ فی دین الملک (یوسف: ۷۶) "یوسف اپنے بھائی کو بادشاہ (مصر) کے قانون کی رو سے نہیں لے سکتا تھا۔"

● اطاعت کے معنی میں: ولہ الدین واصبًا (نحل: ۵۲) "اور اسی کی اطاعت لازم ہے۔"

یوم الدّین کا اصطلاحی مفہوم

یوم الدین کے لغوی معنی روز جزا کے ہیں لیکن اصطلاحًا اس میں حساب، فیصلہ اور جزا تینوں کا مفہوم پایا جاتا ہے[1]۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں یوم الدین کی جگہ یوم الحساب اور یوم الفصل کی مصطلحات بھی استعمال کی گئی ہیں، سورہ مرسلٰت میں ہے: ھٰذا یوم الفصل

---

[1] طبری نے ابوجعفر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اس سورہ میں دین بمعنی حساب و جزا کے استعمال ہوا ہے اور ابن عباسؓ سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ یوم الدین سے مراد یوم حساب خلائق ہے اور اسی کا نام روز قیامت ہے اس دن ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا، خیر کے بدلے خیر اور شر کے بدلے شر بجز اس شخص کے جس سے اللہ درگزر فرمائے، حکم اسی کا ہے، پھر یہ آیت تلاوت کی: الا لہ الخلق والامر (اعراف: ۵۴) تفسیر طبری ج ۱ ص ۱۵۵، ۱۵۶

Marfat.com

جمعنکم والاولین ہ" یہ ہے فیصلے کا دن، ہم نے تم کو اور اگلوں کو بھی جمع کرلیا ہے (تاکہ تمہارا فیصلہ کردیں) یوم الحساب کی اصطلاح زیادہ استعمال ہوئی ہے، سورہ مومن میں ہے: وقال موسیٰ انی عذت بربی وربکم من کل متکبر لا یومن بیوم الحساب (آیت ۲۷) "موسیٰ نے کہا: میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ لیتا ہوں ہر اس متکبر (کے شر) سے جو روز حساب پر یقین نہیں رکھتا" سورہ صٓ میں ہے: ھٰذا ما توعدون لیوم الحساب (۵۳) "یہ وہ نعمتیں ہیں جنھیں حساب کے دن عطا کرنے کا تم سے وعدہ کیا جارہا ہے"۔

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے سریع الحساب کے الفاظ استعمال کیے ہیں، سورہ مومن میں ہے: الیوم تجزی کل نفس بما کسبت ط لا ظلم الیوم ط اِنَّ اللہ سریع الحساب (آیت ۱۷) "آج ہر شخص کو اس کے کیے کا بدلہ دیا جائے گا آج کے دن (کسی پر) کوئی ظلم نہ ہوگا، بے شک اللہ بہت تیز حساب لینے والا ہے"۔ سورہ ابراہیم میں ہے: لیجزی اللہ کل نفس بما کسبت ان اللہ سریع الحساب (آیت ۵۱) "تاکہ اللہ تعالیٰ ہر (مجرم) شخص کو اس کے کیے کی سزا دے، بیشک اللہ بہت تیز حساب لینے والا ہے"۔ اس کے علاوہ اگر یوم الدین کو ماقبل کی دونوں آیات کے معنوی تناظر میں دیکھا جائے تو اس مفہوم کی مزید تائید ہوتی ہے، اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف وکرم سے انسانوں کو رنگ ونسل اور عقیدہ کے کسی امتیاز کے بغیر جن بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے اس کا مقصد یہ تو ہرگز نہیں ہوسکتا کہ انسان شتر بے مہار کی طرح گھومے پھرے، کھائے پیئے اور ایک روز مر جائے۔ اگر ایسا ہوتا تو انسان کی تخلیق ایک کار عبث ہوتی اور خدا کی ذات اس سے پاک ہے کہ وہ کوئی عبث کام کرے۔ اس کرۂ ارض پر انسان کی تخلیق اور پھر اس کی زندگی کے قیام اور اس کی نشو ونما کے حیرت انگیز انتظامات بتاتے ہیں کہ اس کائناتِ ہست وبود میں آدم خاکی کا وجود ایک عظیم مقصد سے وابستہ ہے اور وہ مقصد حسن عمل ہے یعنی اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ انسان عقل وفکر اور ارادہ واختیار کی بیش بہا نعمتوں سے بہرہ ور ہوکر طغیان وسرکشی کی روش اختیار کرتا ہے یا اطاعت و نیکوکاری کی راہ جیسا کہ ایک جگہ فرمایا ہے:

Marfat.com

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۙ (ملک: ۲)

جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون باعتبار عمل زیادہ اچھا ہے۔ وہ زبردست اور معاف کرنے والا ہے۔

جس دن کا نام روز آخرت یا یوم حساب ہے اس دن اللہ تعالیٰ اعمال کا محاسبہ کرے گا اور فیصلہ فرمائے گا کہ دنیا میں کس کے اعمال اچھے تھے اور کس کے برے، کس نے اس کی بخشی ہوئی نعمتوں کو اس کی مرضی کے مطابق استعمال کیا اور کس نے اس کی مرضی کو نظر انداز کر کے خواہشات نفسانی کی اتباع کی؟ چنانچہ جن لوگوں نے منعم حقیقی کی اطاعت و فرماں برداری کی ہوگی اور اس کی نعمتوں کو اس کی مرضی و منشاء کے مطابق استعمال کیا ہوگا اور نفس کی پیروی سے دور رہے ہوں گے ان کو مالک حقیقی بہشت جاوداں کی نعمتوں سے سرفراز فرمائے گا، اور جن لوگوں نے منعم حقیقی کی نافرمانی کی ہوگی اور اس کی عطا کردہ نعمتوں کو اس کی مرضی کے بجائے اپنی خواہش و مرضی کے مطابق استعمال کیا ہوگا اور دنیا کے لذائذ و نعم میں ڈوب کر روز آخرت کے حساب کتاب سے غافل رہے ہوں گے ان کے لیے جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ ہوگی۔ یوم الدین (یوم حساب) کی اس حقیقت کو قرآن مجید میں ایک جگہ بڑے موثر پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے، فرمایا:

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰىهَا ۝ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ۝ وَاَغْطَشَ لَیْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ۝ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ۝ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ۝ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ۝ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ۝ فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ۝ یَوْمَ یَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ۝ وَبُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ لِمَنْ یَّرٰى ۝ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۝ وَاٰثَرَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ۝ فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ الْمَاْوٰى ۝ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰى ۝ (النّٰزعٰت: ۲۷ تا ۴۱)

کیا تمہاری تخلیق زیادہ سخت (و مشکل کام) ہے یا آسمان کی؟ اللہ نے اس کو بنایا، اس کی چھت کو خوب بلند کیا پھر اس کو ہر پہلو سے درست کیا، اس کی رات کو

Marfat.com

تاریک بنایا اور اس کے دن کو ظاہر کیا، اور اس کے بعد زمین کو بچھایا، اس سے اس کا پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑ اس میں گاڑ دیے، اس میں سامان زیست ہے تمہارے لیے اور تمہارے مویشیوں کے لیے۔ پھر جب وہ ہنگامۂ عظیم برپا ہوگا تو اس روز انسان اپنا سب کیا دھرا یاد کرے گا اور دیکھنے والے کے سامنے دوزخ بے پردہ کر دی جائے گی۔ جس نے سرکشی کی ہوگی اور دنیوی زندگی کو (آخرت پر) ترجیح دی ہوگی دوزخ اس کا ٹھکانا ہوگا اور جس نے اپنے رب کے سامنے حاضری سے خوف کیا ہوگا اور نفس کو (بری) خواہشات سے باز رکھا ہوگا اس کا ٹھکانا جنت ہوگی۔

یوم حساب کے متذکرہ قرآنی تصور کو انجیل میں ایک جگہ تمثیل کے پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے:

"یہ اس آدمی کا سا حال ہے جس نے پردیس جاتے وقت اپنے گھر کے نوکروں کو بلا کر اپنا مال ان کے سپرد کیا ○ اور ایک کو پانچ توڑے دیے دوسرے کو دو اور تیسرے کو ایک یعنی ہر ایک کو اس کی لیاقت کے مطابق دیا اور پردیس چلا گیا ○ جس کو پانچ توڑے ملے تھے اس نے فوراً جا کر ان سے لین دین کیا اور پانچ توڑے اور پیدا کر لیے ○ اسی طرح جسے دو ملے تھے اس نے بھی دو اور کمائے ○ مگر جس کو ایک ملا تھا اس نے جا کر زمین کھودی اور اپنے مالک کا روپیہ چھپا دیا ○ بڑی مدت کے بعد ان نوکروں کا مالک آیا اور ان سے حساب لینے لگا ○ جس کو پانچ توڑے ملے تھے وہ پانچ توڑے اور لایا اور کہا: اے خداوند! تو نے پانچ توڑے دیے تھے دیکھ میں نے پانچ توڑے اور کمائے ○ اس کے مالک نے اس سے کہا: اے اچھے اور دیانت دار نوکر شاباش، تو تھوڑے میں دیانت دار رہا میں تجھے بہت سی چیزوں کا مختار بناؤں گا، اپنے مالک کی خوشی میں شریک ہو ○ اور جس کو دو توڑے ملے تھے اس نے بھی پاس آ کر کہا: اے خداوند! تو نے دو توڑے میرے سپرد کیے تھے دیکھ میں نے دو توڑے اور کمائے ○ اس کے مالک نے

Marfat.com

اس سے کہا: اے اچھے اور دیانت دار نوکر شاباش، تو تھوڑے میں دیانت دار رہا میں تجھے بہت سی چیزوں کا مختار بناؤں گا، اپنے مالک کی خوشی میں شریک ہو ○ اور جس کو ایک توڑا ملا تھا وہ بھی پاس آکر کہنے لگا: اے خداوند! میں جانتا تھا کہ تو سخت آدمی ہے اور جہاں نہیں بویا وہاں سے کاٹتا ہے اور جہاں نہیں بکھیرا وہاں سے جمع کرتا ہے ○ پس میں ڈرا اور جاکر تیرا توڑا زمین میں چھپا دیا دیکھ جو تیرا ہے وہ موجود ہے ○ اس کے مالک نے کہا: اے شریر اور سست نوکر! تو جانتا تھا کہ جہاں میں نے نہیں بویا وہاں سے کاٹتا ہوں اور جہاں میں نے نہیں بکھیرا وہاں سے جمع کرتا ہوں ○ پس تجھے لازم تھا کہ میرے توڑے ساہوکاروں (Bankers) کے پاس جمع کر دیتا اور میں واپس آکر اپنا مال مع نفع واپس لے لیتا ○ پس اس سے وہ توڑے لے لو اور جس کے پاس دس توڑے ہیں اسے دے دو ○ کیونکہ جس کسی کے پاس ہے اس کو مزید دیا جائے گا اور اس کے پاس زیادہ ہو جائے گا مگر جس کے پاس نہیں ہے اس سے وہ بھی جو اس کے پاس ہے لے لیا جائے گا ○ اور اس نکمے نوکر کو باہر اندھیرے میں ڈال دو، وہاں رونا اور دانت پیسنا ہوگا۔"[1]

مالک یوم الدین کا مفہوم

ربوبیت اور رحمت کے ساتھ خدا کی ایک تیسری صفت عدالت بھی ہے۔ یہ صفت دراصل اس دنیا یعنی کارخانۂ ربوبیت کی غایت تخلیق کو واضح کرتی ہے یعنی پرسش اعمال اور جزائے اعمال۔ یوم الدین کے لفظ سے جیسا کہ اوپر بیان ہوا، اس کی طرف واضح اشارہ کیا گیا ہے، لیکن جزائے اعمال یعنی عدل خداوندی کی حقیقت اس سے پورے

---

[1] بائبل — انجیل متی، باب ۲۵: ۱۴ تا ۳۰ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی، لاہور ۱۹۵۸ (مطبوعہ لندن)

Marfat.com

طور پر واضح نہیں ہوتی اور اس بات کا اندیشہ تھا کہ انسان خدا کی عدالت کو بھی دنیوی عدالتوں پر قیاس کرلے اور پھر غلط فہمی میں پڑ جائے جیسا کہ ماضی میں متعدد قومیں اس باب میں طرح طرح کی غلط فہمیوں کا شکار ہو چکی ہیں اس لیے عدل خداوندی کی وضاحت نہایت ضروری تھی۔ اس مقصد کے لیے یوم الدین کے ساتھ مالک کا لفظ بڑھایا گیا ہے تاکہ بندوں پر واضح ہو جائے کہ حساب کے دن جملہ اقتدار و اختیار صرف خدا کے ہاتھ میں ہوگا اور اس کے عدل بے لاگ میں کسی مخلوق کو ذرہ برابر بھی مداخلت کا اختیار حاصل نہ ہوگا۔ اس تصور عدالت کو قرآن مجید میں ایک جگہ بڑے بلیغ انداز میں بیان کیا گیا ہے، فرمایا:

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ۭ وَالْاَمْرُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ ۝ (الانفطار: ۱۷ تا ۱۹)

تمہیں کیا خبر کہ روز جزا کیا ہے، ہاں تمہیں کیا خبر کہ روز جزا کیا ہے؟ روز جزا وہ ہے کہ جس دن کوئی آدمی کسی آدمی کے کچھ کام نہ آسکے گا اور جس دن فیصلہ کا اختیار صرف خدا کے ہاتھ میں ہوگا۔

قرآن مجید کا تصوّر شفاعت

عدالت کے ساتھ شفاعت کا تصور بھی جڑا ہوا ہے۔ یہودیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دوسرے انبیاء بنی اسرائیل اور قوم کے اولیا، وصلحا روز آخرت ان کے حق میں شفاعت کریں گے اور انھیں جہنم کی آگ سے بچالیں گے۔ شفاعت عام کا یہ غلط تصور ہی ان کی تمام نافرمانیوں اور بداعمالیوں کی جڑ تھا۔ اس تصور شفاعت کی تردید قرآن مجید نے ان لفظوں میں کی ہے:

يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـــًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ (البقرہ: ۴۸)

اے بنی اسرائیل! تم لوگ میری اس نعمت کو یاد کرو جس سے میں نے تمہیں نوازا تھا

Marfat.com

اور اس بات کو کہ میں نے تمہیں جملہ اقوام عالم پر برتری عطا کی تھی۔ اور ڈرو اس دن سے جب کوئی کسی کے کام نہ آئے گا اور نہ کسی کی طرف سے سفارش قبول ہوگی اور نہ ہی کسی سے کوئی معاوضہ لیا جائے گا۔ اور کہیں سے ان کو کوئی مدد بھی نہ مل سکے گی۔

قرآن مجید میں بعض دوسرے مقامات پر بھی عام تصور شفاعت کی نفی واضح لفظوں میں کی گئی ہے مثلاً ایک جگہ فرمایا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (بقرہ)

اے ایمان والو! جو مال و متاع بھی ہم نے تم کو بخشا ہے اس میں سے خرچ کرو اس دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ تو خرید و فروخت ہوگی، نہ دوستی ہوگی اور نہ کوئی سفارش چلے گی۔ اور جو لوگ (روز حساب کی اس حقیقت کے) منکر ہیں وہ خود اپنے ہی اوپر ظلم ڈھانے والے ہیں۔

عام تصور شفاعت کی نفی کرنے کے ساتھ قرآن مجید نے یہ بھی واضح طور پر بتا دیا ہے کہ انسانوں کا حقیقی کارساز اور شفیع صرف ایک اللہ مالک الملک ہے اس لیے ہر شخص کو صرف اسی ایک ذات سے ہر طرح کے کرم و بخشش کی امید رکھنی چاہیے، ایک جگہ فرمایا ہے:

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ (انعام: ۵۱)

اور (اے محمد) تم اس (وحی) کے ذریعہ ان لوگوں کو ڈراؤ جو اس بات کا خوف رکھتے ہوں کہ وہ (ایک دن) اپنے رب کے سامنے پیش کیے جائیں گے اس وقت اس کے سوا نہ ان کا کوئی حامی و مددگار ہوگا اور نہ کوئی سفارش کرنے والا، شاید کہ (اس تنبیہ کے بعد) وہ (اپنی موجودہ روش سے) باز آجائیں۔

دوسری جگہ ہے:

وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۡ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ

Marfat.com

الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝ (انعام: ۷۰)

اور اس (قرآن) کے ذریعہ ان کو نصیحت کرتے رہو کہیں کوئی شخص (بے خبری میں) اپنی کمائی کے سبب سے گرفتار وبال نہ ہو جائے کہ (اس وقت) اللہ کے سوا نہ اس کا کوئی حامی و مددگار ہوگا اور نہ کوئی سفارش کرنے والا، اور اگر وہ ہر طرح کا معاوضہ بھی دینا چاہے تو اس سے قبول نہ کیا جائے گا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی کمائی کے سبب سے مبتلائے عذاب ہوں گے۔ ان کو انکار حق کی پاداش میں کھولتا ہوا پانی ملے گا اور (دوسری) دردناک سزائیں بھی۔

ایک اور مقام پر ہے:

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ۭ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ۝ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ۭ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ (زمر: ۴۴)

کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو شفیع قرار دے رکھا ہے؟ خواہ وہ کوئی اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ ہی علم و عقل سے بہرہ ور ہوں۔ کہو، شفاعت تمام تر خدا کے ہاتھ میں ہے، آسمانوں اور زمین کی سلطنت اسی کی ہے۔ آخر الامر تم کو اسی کی طرف پلٹنا ہے۔

ان آیات سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ خدا کے سوا کسی دوسرے کے بارے میں یہ گمان رکھنا کہ وہ بھی شفاعت کا اختیار رکھتے ہیں سراسر ایک باطل عقیدہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے شرک قرار دیا ہے، فرمایا:

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَاۗءِ شُفَعَاۗؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ (یونس: ۱۸)

یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان کی بندگی کرتے ہیں جو نہ ان کو نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع؛ اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں (اے محمد) ان سے کہو، کیا تم اللہ کو

Marfat.com

اس بات کی خبر دیتے ہو جسے وہ نہ آسمانوں میں جانتا ہے نہ زمین میں۔ پاک ہے وہ اس عیب سے اور بلند ہے اس کی ذات اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

عام تصور شفاعت اور غیر خدا کے شفیع ہونے کی تردید کے ساتھ قرآن مجید نے ایک خاص نوع کی شفاعت کا اثبات بھی کیا ہے جسے ہم خصوصی شفاعت کہہ سکتے ہیں، ایک جگہ فرمایا ہے:

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ۝

(طٰہٰ : ۱۱۰)

اس روز (کسی کو کسی کی) سفارش نفع نہ دے گی بجز اس شخص کے جس کے واسطے رحمٰن نے اجازت دے دی ہو اور جس کی بات سننے پر وہ راضی ہو گیا ہو۔ وہ (اللہ تعالیٰ) لوگوں کے اگلے پچھلے سب احوال سے باخبر ہے جب کہ دوسروں کو اس کا پورا علم نہیں ہے۔

دوسری جگہ ہے:

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِّن دُونِ اللَّهِ ۖ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِن شِرْكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُم مِّن ظَهِيرٍ ۝ وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ ۚ حَتّٰىٰ إِذَا فُزِّعَ عَن قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ ۖ قَالُوا الْحَقَّ ۖ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ۝ (سبا: ۲۲)

(اے نبی ان سے) کہو، ان ہستیوں کو پکار کر دیکھو جنھیں تم نے خدا کے سوا معبود اختیار سمجھ رکھا ہے جب کہ وہ ذرہ برابر اختیار نہیں رکھتیں نہ آسمانوں میں نہ زمین میں، اور نہ ان دونوں (کی تخلیق) میں وہ کسی نوع کی شرکت رکھتی ہیں اور نہ ان میں سے کوئی (انتظام کائنات میں) اس کا مددگار ہے۔ اور اس کے حضور میں کوئی شفاعت بھی کسی کے لیے نفع بخش نہ ہوگی بجز اس کے جس کے حق میں وہ سفارش کی اجازت دے دے۔ یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوگی تو وہ

Marfat.com

باہم پوچھیں گے "تمہارے رب نے کیا فیصلہ صادر فرمایا؟ وہ کہیں گے کہ وہی جو حق بات ہے، وہ بزرگ و برتر ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ خصوصی شفاعت بھی بعض حدود و آداب کی پابند ہوگی اور وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ صرف وہی شخص شفاعت کر سکے گا جس کی بات عادل حقیقی سننا پسند فرمائے گا۔

۲۔ جس کو شفاعت کی اجازت ملے گی وہ ہر ایک کی سفارش نہ کر سکے گا بلکہ صرف اس شخص کے بارے میں کچھ کہہ سکے گا جس کے حق میں اسے بولنے کی اجازت مرحمت ہوگی۔

۳۔ کوئی شفاعت کنندہ اس عالم غیب و شہادت کی عدالت میں کوئی بات اٹکل سے نہ کہے گا بلکہ صرف وہی بات زبان پر لائے گا جس کا اسے بخوبی علم ہوگا۔

۴۔ سچی بات کے سوا ایک لفظ بھی زبان سے نکالنے کی کسی شفاعت کنندہ کو اجازت نہ ہوگی کیونکہ کوئی بات بھی خواہ وہ بڑی ہو یا چھوٹی، منصف حقیقی کی نظروں سے پوشیدہ نہ ہوگی۔

سطور بالا میں ہم نے قرآن مجید کے تصور شفاعت کی جو وضاحت کی ہے اس کو پڑھ کر ایک قاری کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر شفاعت عام کا تصور غلط اور غیر قرآنی ہے تو پھر احادیث میں صلحاء اور انبیاء بالخصوص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جس شفاعت عام کا ذکر ملتا ہے اس کی حقیقت و نوعیت کیا ہے؟

شفاعت انبیاء کی حقیقت

ہر نبی اور رسول اپنی اپنی قوم کے لیے بمنزلہ وکیل کے ہے اس لیے اُخروی عدالت میں انھیں یہ موقع دیا جائے گا کہ وہ اپنی قوم کے بارے میں اپنے پروردگار سے کچھ کہہ سکیں لیکن تمام انبیاء اپنی اپنی قوم کے بارے میں اس دن جو کچھ کہیں گے اس کی نوعیت ٹھیک وہ ہوگی جس کا ذکر سورۂ مائدہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ میں اس طرح آیا ہے:

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (آیت: ۱۱۸)

Marfat.com

(اے اللہ) اگر تو انھیں سزا دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر ان کو معاف کر دے تو تو زبردست اور دانا ہے۔

اس شفاعت کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ۔ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۔ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (مائدہ: ۱۱۹)

یہ وہ دن ہے جس میں راستبازوں کو ان کی راستبازی نفع دے گی، ان کے لیے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہیں، یہاں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی، یہ ہے عظیم کامیابی۔

یہ ہے شفاعت انبیاء کی حقیقت، اس سے زیادہ کچھ سمجھنا سراسر غلط اور قرآنی تعلیمات کے خلاف ہوگا۔

شفاعت محمدی کی حقیقت

احادیث میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جس شفاعت کا ذکر آتا ہے اس کی حقیقت سے اکثر مسلمان غافل ہیں حتیٰ کہ اہل علم کا ایک بڑا طبقہ بھی اس باب میں جادۂ حق سے ہٹا ہوا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر نبی و رسول کی طرح اپنی قوم کے وکیل ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں اُمت کی شفاعت فرمائیں گے۔ یہ شفاعت ٹھیک اس طرز کی ہوگی جس کا ذکر اوپر کی سطروں میں ہوا، یعنی آپ فرمائیں گے: اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ اس شفاعت کا جواب بھی وہی ہوگا جو گذر چکا یعنی اللہ تعالیٰ فرمائے گا: هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ط

جواب شفاعت کے الفاظ صاف بتاتے ہیں کہ اس شفاعت کی حیثیت محض عدالتی ضابطہ بندی کی ہے اس سے کسی مجرم و غلط کار کو کوئی فائدہ نہ پہنچے گا (هٰذا یوم ینفع الصادقین صدقهم) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری شفاعت جو دراصل

Marfat.com

شفاعتِ خصوصی ہے اور جس کا تذکرہ ہم اوپر کر چکے ہیں، ان مسلمانوں کے حق میں ہوگی جو اس دنیا میں حتی الوسع احکام الٰہی کی اطاعت کرتے رہے ہوں گے لیکن بشری کمزوریوں کے سبب سے ان سے بعض گناہ بھی سرزد ہو گئے ہوں گے اور دنیا میں انھوں نے ان گناہوں پر توبہ و استغفار بھی کر لیا ہوگا۔ اللہ نے چاہا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شفاعت شرف قبولیت حاصل کرے گی، قرآن مجید سے اس تصور شفاعت کی تائید ہوتی ہے، ایک جگہ فرمایا ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ (نساء: ۶۴)

اور اگر جس وقت وہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے اس وقت وہ تمہارے پاس آجاتے، پھر اللہ سے معافی چاہتے اور رسول بھی ان کے لیے معافی چاہتا تو ضرور وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پاتے۔

دوسری جگہ ہے:

وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ۝ (طٰہٰ: ۸۲)

میں ہر اس شخص کے لیے غفار ہوں جس نے (گزشتہ افعال بد سے) توبہ کی اور جو ایمان لایا اور جس نے اچھے کام کیے پھر وہ راہِ ہدایت پر چلتا رہا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم روز آخرت ان عاصی و خطاکار لوگوں کی ہرگز شفاعت نہ فرمائیں گے جو دنیا میں توبہ و استغفار اور اصلاح حال کے بغیر وفات پا گئے ہوں گے جیسا کہ قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا ہے:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (منافقون: ۵، ۶)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تاکہ اللہ کا رسول تمہارے لیے مغفرت کی دعا کرے تو وہ اپنے سر پھیر لیتے ہیں اور تم دیکھتے ہو کہ وہ تکبر کرتے ہوئے (استغفار سے) بے اعتنائی برتتے ہیں (اے نبی) خواہ تم ان کے لیے استغفار کرو اور خواہ استغفار نہ کرو ان کے حق میں دونوں باتیں یکساں ہیں۔ اللہ نافرمانوں کو راہِ ہدایت نہیں دکھاتا۔

Marfat.com

روز آخرت فاسقوں کی طرح مشرکوں اور مجرموں کا بھی نہ کوئی حامی وغمگسار ہوگا اور نہ شفاعت کرنے والا جیسا کہ ایک جگہ آیا ہے:

مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ۝ (مومن: ۱۸)

ظالموں کے لیے نہ کوئی حامی ومددگار ہوگا اور نہ کوئی ایسا سفارش کرنے والا کہ اس کی بات مان ہی لی جائے۔

دوسری جگہ ہے:

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝ (روم: ۱۲)

اور جس دن وہ گھڑی آئے گی، مجرمین متحیر غمگین اور مایوسی کا شکار ہوں گے اور وہ جن لوگوں کو خدا کا شریک ٹھہراتے تھے ان میں سے کوئی بھی ان کی سفارش نہ کرے گا اور وہ (ناطاقتی کا منظر دیکھ کر) اپنے شریکوں کا انکار کر دیں گے۔

ایک اور مقام پر ہے:

رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ۝ يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۚ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۚ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۚ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ۚ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ۝ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ۝ وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ۚ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ۚ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝ (مومن: ۱۵ تا ۲۰)

وہ عظیم المرتبت مالک عرش ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے وحی (حکم) بھیجتا ہے تاکہ وہ ملاقات کے دن (یعنی قیامت) سے ڈرائے جس دن سب بے پردہ ہوں گے، اللہ سے ان کی کوئی بات بھی ڈھکی چھپی نہ ہوگی (پوچھا

Marfat.com

جائے گا) آج بادشاہی کس کی ہے؟ (سب پکار اٹھیں گے) اللہ کی جو یکتا اور غالب ہے (کہا جائے گا) آج ہر شخص کو اس کے کیے کا بدلہ دیا جائے گا، آج کسی پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔ بیشک اللہ حساب لینے میں بہت تیز ہے۔ (اے نبی) تم ان لوگوں کو اس دن سے ڈراؤ جو قریب آلگا ہے، جب کلیجے منہ کو آجائیں گے اور لوگ شدت غم سے مہر بلب ہوں گے۔ (اس دن) ظالموں (یعنی مشرکوں) کا نہ کوئی جگری دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی جس کی بات مانی جائے وہ (اللہ) آنکھوں کی چوری تک سے واقف ہے اور ان باتوں سے بھی جو سینوں میں پوشیدہ ہیں۔ اللہ ٹھیک ٹھیک حق کے مطابق فیصلہ کرے گا۔ اور خدا کے سوا جن کو یہ پکارتے ہیں وہ کسی طرح کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ بلاشبہ اللہ ہی سب کچھ سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا ہے۔

اس دن تارکین صلوٰۃ کی شفاعت بھی خارج از امکان ہے جیسا کہ ایک حدیث میں مروی ہے:

"جو شخص نماز کی محافظت کرتا ہے اس کے لیے قیامت کے روز نور، برہان اور نجات ہوگی اور جو کوئی نماز کی محافظت نہیں کرتا اس کے لیے قیامت کے دن نہ نور ہوگا نہ برہان اور نہ نجات کا کوئی راستہ اور اس کا حشر قارون، فرعون، ہامان اور اُبی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔"[1]

قرآن مجید کی درج ذیل آیات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے:

مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ۝ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ۝ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ۝ وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ ۝ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ ۝ حَتَّىٰ أَتَانَا الْيَقِينُ ۝ فَمَا تَنفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ ۝ (مدثر: ۴۲ تا ۴۸)

(اہل جنت، اہل دوزخ سے پوچھیں گے) تمہیں کیا چیز دوزخ میں لے گئی؟ وہ کہیں گے

---

[1] احمد دارمی بیہقی فی شعب الایمان

Marfat.com

ہم نماز نہیں پڑھتے تھے، مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے اور فضول باتوں میں مشغول رہنے والوں کے ساتھ ہم بھی مشغول رہا کرتے تھے، روز حساب کو جھٹلاتے تھے یہاں تک کہ اسی حالت میں ہم کو موت آگئی۔ اس دن سفارش کرنے والوں کی سفارش ان کے کسی کام نہ آئے گی۔

میدان حشر میں جہاں ہر شخص تشنہ لب اور پریشان حال ہوگا، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے افراد کو وضو اور سجود نماز کے اثرات سے پہچان لیں گے اور انھیں حوض کوثر پر آنے کے لیے بلند آواز سے پکاریں گے۔ اس سلسلے میں موطا کی ایک روایت بے نمازی اور دین میں تحریف کرنے والے مسلمانوں کے لیے بڑی نصیحت آموز ہے۔ روایت اس طرح ہے۔

"ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان کی طرف تشریف لے گئے اور فرمایا: اے اہل ایمان تم پر خدا کی سلامتی ہو، اگر اللہ نے چاہا تو میں تم سے جلد ہی آملوں گا، میری دلی خواہش ہے کہ میں اپنے بھائیوں کو دیکھ لوں۔ صحابہ نے عرض کیا: کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا تم لوگ تو میرے اصحاب ہو، میرے بھائی تو وہ ہیں جو بعد میں آنے والے ہیں، اور میں حوض پر ان سے پہلے پہنچوں گا۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کی امت کے جو لوگ آپ کے بعد آئیں گے آپ انھیں کس طرح پہچان لیں گے؟ آپ نے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے، اگر کسی شخص کا گھوڑا جس کی پیشانی اور ہاتھ اور پیروں میں سفیدی ہو، سراپا سیاہ رنگ کے گھوڑوں میں موجود ہو تو کیا وہ اپنے گھوڑے کو پہچان نہ لے گا۔ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول، وہ یقیناً پہچان لے گا۔ آپ نے فرمایا: (میں اسی طرح اپنے بھائیوں کو پہچان لوں گا) وہ قیامت کے دن اس حال میں آئیں گے کہ وضو کے اثرات سے ان کے چہرے اور ہاتھ اور پیر چمک رہے ہوں گے۔ اور میں ان سے پہلے حوض پر موجود ہوں گا۔ اس دن میرے حوض سے کوئی شخص پھیرا نہ جائے گا جس طرح راہ بھولا ہوا اونٹ واپس

Marfat.com

نہیں کیا جاتا ہے۔ میں ان کو پکاروں گا: سنو، یہاں آؤ، سنو یہاں آؤ، سنو یہاں آؤ (الاھلم، الاھلم، الاھلم) کہا جائے گا: ان لوگوں نے آپ کے بعد آپ کے دین کو بدل ڈالا تھا۔ یہ سن کر میں کہوں گا: دور ہو جاؤ، دور ہو جاؤ، دور ہو جاؤ (فسُحقا، فسحقًا، فسحقًا)[1]

جو مسلمان اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری چھوڑ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے غلط اُمیدیں لگائے بیٹھے ہیں وہ خواب غفلت سے بیدار ہوں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و اتباع ہی کو توشۂ آخرت اور ذریعۂ نجات بنائیں۔ روایات میں آتا ہے کہ جب آیت انذر عشیرتك الاقربین (شعراء: ۲۱۴) نازل ہوئی تو آپ نے سب سے پہلے اپنے خاندان والوں کو جمع کیا اور فرمایا:

"اے بنی عبدالمطلب، اے عباس، اے صفیہ (رسول اللہؐ کی پھوپھی) اے فاطمہ محمدؐ کی بیٹی، تم لوگ خود کو دوزخ کی آگ سے بچانے کی فکر کرو میں خدا کی پکڑ سے تم کو نہیں بچا سکتا، البتہ میرے مال میں سے (بوجہ رشتہ داری) تم لوگ جو کچھ چاہو مانگ سکتے ہو"۔ اسی طرح صبح سویرے صفا کے سب سے اونچے مقام پر کھڑے ہو کر قبیلۂ قریش کے لوگوں سے یوں خطاب کیا: اے قریش کے لوگو! اگر میں تمہیں بتاؤں کہ اس پہاڑ کے دوسری طرف ایک بھاری لشکر ہے جو تم پر حملہ آور ہونے کو تیار ہے تو کیا میری بات سچ مان لو گے؟ سب نے کہا: ہاں ہم سچ مان لیں گے اس لیے کہ ہمارے تجربہ میں تم نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ آپ نے فرمایا: اچھا تو میں عذاب الٰہی آنے سے پہلے تم کو خبردار کرتا ہوں۔ اپنی جانوں کو اس کی پکڑ سے بچانے کی فکر کرو، میں خدا کے مقابلے میں تمہارے کچھ کام نہیں آسکتا۔ قیامت میں میرے رشتہ دار صرف متقی ہوں گے۔ دیکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ دوسرے

---

[1] موطا، باب جامع الوضو

Marfat.com

لوگ تو اپنے دامن میں اعمال نیک لیے ہوئے آئیں اور تم لوگ اپنے اوپر دنیا کو لادے ہوئے آؤ۔ اس وقت تم پکارو گے یا محمدؐ، مگر میں مجبور ہوں گا کہ تمہاری طرف سے منہ پھیر لوں۔ البتہ دنیا میں میرا اور تمہارا خون کا رشتہ ہے اور یہاں میں تمہارے ساتھ ہر طرح کی صلۂ رحمی کروں گا۔"[1]

بعض احادیث میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ آپ کے بعض اُمتیوں کی شفاعت کا بھی ذکر ملتا ہے لیکن اس کی تائید قرآن مجید سے نہیں ہوتی اور اگر ان احادیث کو صحیح بھی مان لیا جائے تو ظاہر ہے کہ یہ شفاعتیں بھی اسی نوع کی ہوں گی جس کو ہم شفاعت انبیاء کے ضمن میں بیان کر چکے ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکوں، فاسقوں (نماز اور دیگر عبادتوں کے تارک) اور دین میں تحریف کرنے والوں کی شفاعت نہ کریں گے تو پھر آپ کا کوئی امتی کیونکر ایسے لوگوں کی شفاعت کا خیال بھی دل میں لا سکتا ہے۔

ایّاک نعبد

اس آیت میں ایاک جو مفعول ہے اور فعل سے پہلے آیا ہے اس سے مقصود حصر ہے۔ عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایاک نعبد کے معنی ہیں: نعبدك ولا نعبد غيرك[2] "ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں تیرے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہیں کرتے۔" لیکن خود عبادت کا مفہوم کیا ہے اس کو سمجھ لینا نہایت ضروری ہے۔ عبادت کے لغوی معنی انتہائی عجز و تذلّل اور فروتنی کے ہیں، امام راغب فرماتے ہیں:

"عبودیت کے معنی اظہار فروتنی کے ہیں اور عبادت کے معنی اس سے بھی ایک درجہ آگے یعنی غایت درجہ فروتنی کے ہیں۔ اسی لیے اس کی مستحق صرف وہ ذات ہے جس کے افضال و عنایات بے پایاں ہیں، اسی لیے ارشاد ہے: ان لا تعبدوا الا ایاہ (صرف اسی کی عبادت کرو)"[3]

---

[1] بخاری، مسلم، مسند احمد، ترمذی وغیرہ [2] تفسیر مظہری ج ۱ ص ۹ مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۱۹۶ھ

[3] مفردات ص ۳۲۱

Marfat.com

عبادت کے ایک دوسرے معنی اطاعت مع الخضوع کے ہیں جیسا کہ لسان العرب میں مذکور ہے:

"والعبادۃ، الطاعۃ، عبد الطاغوت ای اطاعہ۔ وقال فی قولہ تعالیٰ ایاك نعبد، ای نطیع الطاعۃ التی یخضع معہا قال: ومعنی العبادۃ فی اللغۃ، اطاعۃ مع الخضوع، ومنہ طریق معبد اذا کان مذللاً بکثرۃ الوطاء"[1]

"عبادت کے معنی اطاعت کے ہیں۔ عبد الطاغوت یعنی اس نے طاغوت کی اطاعت کی اور اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ایاك نعبد یعنی ہم تیری ہی عاجزانہ اطاعت کرتے ہیں۔ اور لغت میں عبادت کے معنی اطاعت مع الخضوع ہیں چنانچہ وہ راستہ جو کثرت آمد و رفت سے پامال ہو گیا ہو، طریق معبد کہلاتا ہے"۔

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر عبادت کے لفظ کو صاف صاف اطاعت و محکومی کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے، سورہ مومنون میں ہے: فقالوا انومن لبشرین مثلنا و قومھما لنا عٰبدون ۝ (آیت: ۴۷) "انھوں نے کہا: کیا ہم اپنے ہی جیسے دو آدمیوں پر ایمان لائیں حالانکہ ان کی قوم ہماری مطیع و محکوم ہے۔ سورہ مریم میں ہے: یا ابت لا تعبد الشیطٰن (آیت ۴۴) "ابا جان شیطان کی عبادت نہ کیجئے"۔ سورہ زمر میں ہے: والذین اجتنبوا الطاغوت ان یعبدوھا (آیت ۱۵) "اور جن لوگوں نے طاغوت کی عبادت سے اجتناب کیا"۔

ان آیات میں شیطان اور طاغوت سے مراد خدا کے باغی اور سرکش بندے ہیں جو خدا کے قانون کی جگہ خود ساختہ قوانین چلاتے ہیں یا ہوائے نفسانی کا اتباع کرتے ہیں۔ شیطان اور طاغوت کی عبادت کے معنی لازماً ان کی اطاعت و فرماں برداری کے ہوں گے

---

[1] لسان العرب ج ۳ ص ۲۷۲

Marfat.com

کیونکہ معروف معنوں میں ان کی عبادت کوئی شخص بھی نہیں کرتا عبادت ہی سے تعبید کا لفظ بنا ہے جس کے معنی غلام یا محکوم بنانے کے ہیں۔ قرآن مجید میں ایک جگہ آیا ہے: وتلك نعمة تمنّها علیّ ان عبّدت بنی اسرائیل (شعراء-۲۲) "اور تو جس نعمت (پرورش) کا مجھ پر احسان جتا رہا ہے وہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو ذلیل و محکوم بنا رکھا تھا۔ اسی سے عبد اور عبید کے الفاظ ہیں جن کے معنی غلام اور محکوم کے ہیں۔

امام طبریؒ اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جملہ اہل عرب کے نزدیک عبودیت کی اصل ذلت ہے اور اسی لیے وہ راستہ جو مسافروں کی کثرت آمد و رفت سے پست و پامال ہو چکا ہو، طریقِ معبّد کہلاتا ہے۔ طرفہ کا شعر ہے:

تُبَاری عتاقًا ناجیاتٍ، واتبعتْ
وظیفًا وظیفًا فوق مورٍ معبّدٍ[1]

اس شعر میں مور معبد سے مراد طریق معبّد یعنی پامال راہ ہے۔ اور اسی طرح وہ اونٹ جسے سواری کے لیے مطیع و منقاد بنایا جا چکا ہو، بعیر معبد کہلاتا ہے۔ عبید کو بھی اسی وجہ سے عبید یعنی غلام کہتے ہیں کہ وہ اپنے آقا کا مطیع و منقاد ہوتا ہے۔ اشعار عرب اور ان کے کلام میں اس کے شواہد اس کثرت سے موجود ہیں کہ ان کا احاطہ مشکل ہے۔"[2]

اس سلسلے میں صاحب کشاف فرماتے ہیں:

"عبادت نام ہے غایت درجہ خضوع و تذلّل کا اور اسی لیے اس لفظ کا استعمال صرف اللہ کے سامنے خضوع کے لیے خاص ہے کیونکہ وہی آقا اور منعم حقیقی ہے اس لیے وہ اس کا مستحق ہے کہ اس کے

---

[1] ترجمہ "وہ تیز رفتار گھوڑیوں کا مقابلہ کرتی ہے اور ایک پیر پر کے پیچھے، دوسرا پیر پامال راستے پر رکھتی چلی جاتی ہے۔" [2] تفسیر طبری ج ۱ ص ۱۶۱ مطبوعہ مصر ۱۳۷۴ ہجری

Marfat.com

آگے خضوع وتذلّل کا اظہار کیا جائے۔[1]

اوپر کی لغوی اور تفسیری تشریحات سے عبادت کا مفہوم بالکل واضح ہوگیا یعنی اطاعت ومحکومی جس میں غایت درجہ عجز وتذلّل پایا جائے۔ عبادت کے اس معنی کو پیش نظر رکھ کر ایاک نعبد کے مفہوم پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اس میں جہاں مصلّی اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ وہ خدا کے سوا کسی اور کے سامنے اپنی پیشانی کو خاک آلود نہ کرے گا وہاں یہ عہد بھی کرتا ہے کہ وہ ہر حال میں اس کا مطیع وفرماں بردار رہے گا، زندگی کے کسی معاملے میں اس کے سوا کسی دوسرے کے حکم وہدایت پر نہ چلے گا۔ اب اگر کوئی شخص اس عہد اطاعت کے بعد خدا کے سامنے اپنا سر تو جھکاتا ہے لیکن اس کے احکام پر عمل نہیں کرتا[2] تو یہ عہد عبادت کی صریح خلاف ورزی ہوگی اور اس کا سر جھکانا سراسر ریاکاری پر محمول کیا جائے گا۔ عبادت کے واقعی مفہوم پر روشنی ڈالتے ہوئے علامہ آلوسی نے لکھا ہے:

> لا یخفیٰ ان تخصیص العبادۃ بہ تعالیٰ لا یتحقق الّا بتخصیص الطاعۃ ایضاً بہ تعالیٰ ومتی لم یخص بہ جل شانہ لم تخص العبادۃ بہ سبحانہ۔[3]
>
> "یہ بات بالکل واضح ہے کہ عبادت کو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص کرنا اس وقت تک متحقق نہیں ہوتا جب تک اطاعت کو خدا کے لیے خاص نہ کر دیا جائے۔ جب تک اطاعت کو خدا کے لیے خاص نہ کیا جائے اس وقت تک گویا عبادت بھی خدا کے لیے خاص نہیں ہوئی۔"

اسلام سے پہلے عبادت کا تصور نہایت محدود تھا۔ چند مخصوص اوقات میں متعین مراسم پرستش بجالانے ہی کو عبادت سمجھا جاتا تھا، زندگی کے انفرادی اور اجتماعی معاملات میں خدا کے احکام کی فرماں برداری کو جزو عبادت نہیں سمجھا جاتا تھا حتیٰ کہ خالص دنیوی معاملات

---

[1] الکشاف ج ۱ ص ۹ مطبوعہ کلکتہ ۱۲۷۶ھ [2] تعمیل حکم میں کمی کوتاہی ایک چیز ہے اور سرے سے اس کی تعمیل ہی نہ کرنا ایک بالکل دوسری چیز ہے اور اسی پر عہد عبادت سے روگردانی کا اطلاق ہوتا ہے۔ [3] روح المعانی۔ ج ۱ ص ۶۳ مطبوعہ ۱۲۵۴ھ

Marfat.com

کو سرے سے دائرہ عبادت سے خارج سمجھ لیا گیا تھا۔ اسلام نے عبادت کے اس ناقص تصور کی اصلاح کی اور بتایا کہ عبادت صرف اس کا نام نہیں ہے کہ انسان چند مقررہ اوقات میں خدا کے سامنے اپنا سر جھکا دے اور پرستش کے بعض مخصوص آداب و مراسم بجا لائے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ جسم کے ساتھ اپنے نفس کو بھی خدا کے سامنے جھکا دے اور خواہشات نفسانی کی اطاعت و اتباع کے بجائے اللہ تعالیٰ کے احکام کا مطیع و فرماں بردار بن جائے۔ اس کے علاوہ اسلام نے یہ بھی بتایا کہ انسان کا ہر وہ عمل عبادت ہے جو خدا کے حکم کے مطابق اس کی رضا کے حصول کے لیے انجام دیا جائے خواہ وہ بظاہر بالکل دنیا کا کام کیوں نہ ہو چنانچہ اس نے روزی کمانے اور بال بچوں کی پرورش کو جو دوسرے مذاہب میں خالص دنیا کے کام ہیں، عبادت قرار دیا ہے۔ غرض یہ کہ عبادت کے دائرہ میں انسان کی زندگی کا ایک ایک عمل داخل ہے اور قرآن مجید کا مطالبہ یہی ہے کہ وہ خدا کے حکموں کے مطابق انجام پائے، فرمایا ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۔ (بقرہ: ۲۰۸)

اے ایمان والو! تم پورے کے پورے اسلام (اطاعت) میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو، بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

قرآن مجید کے اس تصور عبادت کی روشنی میں مسلمانوں کا جائزہ لیجئے تو صاف نظر آتا ہے کہ انھوں نے عبادت کا ٹھیک وہ مفہوم سمجھ رکھا ہے جو دوسرے مذاہب کے پیروکاروں میں مروّج و مقبول ہے۔ اس غلط تصور عبادت کی وجہ سے مسلمان اس عہد عبادت کی حقیقت سے بالکلیہ بے خبر ہیں جس کی توثیق وہ ہر روز پانچ اوقات کی نمازوں میں کرتے ہیں یعنی اے خدا ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں تیرے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہیں کرتے"۔ انھیں یہ نہیں معلوم کہ خدا کے سوا کسی اور کے سامنے سر جھکانا، ان کو مشکل کشا اور رزق رساں سمجھنا یا کسی مخلوق کی غیر مشروط اطاعت کرنا[1] عہد عبادت کے

---

[1] کسی مخلوق کی غیر مشروط اطاعت سے مراد یہ ہے کہ خدا کے احکام کو نظر انداز کر کے اس کی اطاعت کی =

Marfat.com

سراسر منافی ہے۔ بزرگان دین کے مقابر پر مسلمانوں کے ہجوم اور ان کے اعمال واطوار کو دیکھ کر یقین نہیں آتا کہ یہ وہی مسلمان ہیں جو نمازوں میں مکرر خدا سے عہد کرتے ہیں کہ وہ صرف اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔ یہ تو ان مسلمانوں کا حال ہے جو گم کردہ راہ ہیں لیکن جو مسلمان فعل شرک سے بچے ہوئے ہیں ان کا حال بھی افسوسناک ہے۔ انھوں نے عبادت کے مفہوم کو صرف عبادات اربعہ بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ نماز اور روزہ کے ظاہری اعمال کی انجام دہی تک محدود سمجھ لیا ہے۔ ان اعمال عبادت کی ادائیگی کے بعد وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں خدا کے احکام کی اطاعت ضروری نہیں سمجھتے بلکہ کھلے عام خدا کی نافرمانی کرتے ہیں اور پھر بھی نمازوں میں یہی کہتے ہیں کہ "اے خدا ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں"۔

= جائے۔ جن معاملات زندگی میں کسی نوع کی کوئی واقعی مجبوری حائل نہیں ہے اس میں تو ہر مومن و مسلم کے لیے لازم ہے کہ وہ خدا کا حکم بجا لائے۔ اس میں کسی انسان کی ناخوشی کا مطلق لحاظ نہ کرے البتہ جن معاملات میں خدا کے احکام کی پیروی میں کوئی واقعی دشواری حائل ہے جیسے ہندوستان میں مسلمان ہندی پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے سیاسی، معاشی اور فوجداری قوانین کی تعمیل کے لیے مجبور ہے اور اگر وہ نہ مانے تو اسے صریح بغاوت پر محمول کیا جائے گا اور مسلمان موجودہ حالات میں اس کی طاقت نہیں رکھتے، ان معاملات میں مسلمان شرع کی تعمیل کے مکلف نہ ہوں گے لیکن ان معاملات میں بھی ان کے ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ انسانی قوانین کی اطاعت دل سے نہ کریں بلکہ دل میں انھیں برا ہی سمجھیں اور ان سے نجات حاصل کرنے کے لیے برابر ہر امکانی جد وجہد کریں اور خدا سے بھی نصرت کی دعا کرتے رہیں۔ قرآن مجید کی درج آیت اس سلسلے میں واضح رہنمائی کرتی ہے:

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿﴾ (نحل: ۱۰۶)

جو شخص اللہ پر ایمان لانے کے بعد اس کا منکر ہوا بجز اس شخص کے جس پر جبر کیا جائے اور اس کا قلب ایمان پر مطمئن ہو اور اگر اس نے یہ انکار کھلے دل سے کیا تو ایسے لوگوں پر خدا کا غضب ہوگا اور ان کو دردناک سزا ملے گی۔

Marfat.com

خدا سے باندھے ہوئے عہد عبادت کو توڑ ڈالنے کے بعد جنت کی نعمتوں کی اُمید رکھنا سراسر فریب نفس ہے۔ جنت کی نعمتیں تو انہی لوگوں کے لیے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے باندھے ہوئے عہد اطاعت پر مضبوطی سے قائم رہتے ہیں، اس سلسلے میں قرآن مجید کا واضح ارشاد ہے:

الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۙ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ۝ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ (رعد: ۲۲)

وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں اور اس عہد کو (کسی حال میں بھی) توڑتے نہیں، اور اللہ نے جن روابط کو قائم رکھنے کا حکم دیا ہے ان کو قائم رکھتے ہیں، اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور (روز آخرت کے) سخت حساب کا خوف رکھتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو اپنے رب کی رضا کے لیے صبر (ثابت قدمی) سے کام لیتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں، ہمارے دیے ہوئے رزق میں سے علانیہ اور پوشیدہ خرچ کرتے ہیں۔ اور برائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں، آخرت کا گھر انہی لوگوں کے لیے ہے۔

اس عہد شکنی کا سبب خواہ جہل و غفلت ہو اور خواہ محاسبۂ آخرت کے یقین کا فقدان، مسلمان جتنی جلد اس عہد شکنی سے باز آجائیں ان کے حق میں بہتر ہے کیونکہ جو قوم اللہ سے باندھے ہوئے عہد و میثاق کو توڑ دیتی ہے اور اسی پر قائم رہتی ہے، اللہ اسے دنیا اور آخرت دونوں میں دردناک اور رسوا کن عذاب سے دوچار کرتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ایک عہد شکن گروہ کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ

Marfat.com

سُوْٓءُ الدَّارِ ۝ (رعد : ۲۵)

اور وہ لوگ جو اللہ کے عہد کو مضبوط باندھ لینے کے بعد توڑ ڈالتے ہیں اور اللہ نے جس چیز (یعنی باہمی تعلقات) کے جوڑنے کا حکم دیا ہے اس کو قطع کرتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں وہ لعنت کے سزاوار ہیں اور ان کے لیے (آخرت میں) بہت برا ٹھکانا ہے۔

ایاک نستعین

عہد عبادت کے ساتھ ایک بندۂ مسلم اپنے خالق و مالک سے جو دوسرا عہد باندھتا ہے وہ استعانت کا عہد ہے یعنی وہ اس بات کا عہد کرتا ہے کہ خدا کے علاوہ کسی اور سے سوال نہ کرے گا جو بھی مانگنا ہوگا اسی سے مانگے گا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں واضح طور پر اپنے بندوں کو اس بات کی ہدایت کی ہے کہ وہ صرف اسی کو پکاریں اور اسی سے مدد چاہیں، ایک جگہ فرمایا ہے:

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ۔ (بقرہ:۱۸۶)

اور (اے نبی) میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق پوچھیں تو انھیں بتادو کہ میں ان سے قریب ہوں، پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے تو اس کی پکار کو شرف قبولیت عطا کرتا ہوں (یعنی اس کی حاجت روائی کرتا ہوں) اس لیے انھیں چاہیے کہ وہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ سیدھی راہ پالیں۔

دوسری جگہ ہے:

اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ ۔ (مومن : ۶۰)

مجھے پکارو میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا جو لوگ میری عبادت سے استکبار کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل و رسوا ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ ہدایت بھی کی ہے کہ وہ اس کے علاوہ کسی دوسرے کو ہرگز نہ پکاریں کیونکہ اس کے علاوہ اس کائنات میں کوئی دوسرا وجود ایسا نہیں جو کسی نوع کے مافوق الطبعی اختیار کا مالک ہو اور بندوں کی حاجات پوری کر سکتا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تاریخ کے ہر دور میں خدا کے علاوہ جن جن ہستیوں کو حاجت روا سمجھ کر پکارا گیا ہے اور آج بھی جن ہستیوں کو صاحب اختیار قرار دے کر پکارا جا رہا ہے وہ سب بے اختیار ہستیاں ہیں اور زمین اور آسمانوں میں کسی ادنیٰ اختیار و اقتدار کی مالک نہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا ہے:

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝ [1] (احقاف: ۴تا۶)

کہو، یہ تو بتلاؤ کہ خدا کے علاوہ جن کو تم پکارتے ہو مجھے دکھاؤ کہ انھوں نے زمین میں کیا چیز پیدا کی ہے یا آسمان میں ان کا کچھ ساجھا ہے۔ اگر تم سچے ہو تو میرے پاس کوئی کتاب لاؤ جو اس سے پہلے کی ہو یا کوئی علمی سند ہی لاؤ۔ اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو خدا کو چھوڑ کر ایسے کو پکارے جو قیامت تک اس کی حاجت روائی نہ کرے اور ان کو ان کے پکارنے کی بھی خبر نہ ہو اور جب (روز قیامت) سارے انسان جمع کیے جائیں تو وہ ان کے دشمن ہو جائیں اور ان کی عبادت ہی کا انکار کر دیں۔

دوسری جگہ ہے:

---

[1] اس آیت سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ استمداد جزو عبادت ہے۔ جو شخص حاجات و بلایا میں خدا کے علاوہ کسی دوسرے کو مدد کے لیے پکارتا ہے وہ گویا اس کی عبادت کرتا ہے اور وہی اس کا معبود ہے۔

Marfat.com

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۚ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۚ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۚ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ۝ (فاطر:١٣)

وہی اللہ تمہارا رب ہے۔ اقتدار اور بادشاہی اسی کی ہے۔ اسے چھوڑ کر جن ہستیوں کو تم پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی[1] کی بھی مالک نہیں۔ اگر تم انھیں پکارو تو وہ (بذات خود) تمہاری پکار سن نہیں سکتے اور اگر (کسی خدائی ذریعہ سے) سن بھی لیں تو تمہاری حاجت روائی نہیں کر سکتے اور روز قیامت وہ تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے۔ ایک خبردار (یعنی خدا) کے سوا کوئی دوسرا تمہیں اس حقیقت کی خبر نہ دے گا۔

ایک اور مقام پر ہے:

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ۚ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ۚ

(رعد:١٤)

اسی کو پکارنا برحق ہے۔ جو لوگ اس کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں وہ ان کی ادنیٰ حاجت بھی پوری نہیں کر سکتے ہیں۔ انھیں پکارنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنی دونوں ہتھیلیوں کو پانی کی طرف پھیلائے کہ اس کے منہ تک پہنچ جائے حالانکہ وہ اس تک پہنچنے والا نہیں۔

مزید ایک جگہ یوں فرمایا ہے:

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝ (نحل:٢٠،٢١)

---

[1] قطمیر کے لغوی معنی اس جھلی (سفید پوست) کے ہیں جو کھجور کی گٹھلی پر ہوتی ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ اس جھلی جیسی حقیر شے کے بھی مالک نہیں یعنی بالکل بے اختیار ہیں۔

Marfat.com

اور اللہ کے سوا جن کو یہ پکارتے ہیں وہ کسی شے کے بھی خالق نہیں بلکہ خود مخلوق ہیں، وہ مردہ ہیں نہ کہ زندہ، اور نہیں جانتے کہ وہ کب (قبروں سے) اٹھائے جائیں گے۔

بہت سے نادان مسلمان کہتے ہیں کہ وہ غیر خدا کو محض واسطہ اور وسیلہ سمجھ کر پکارتے ہیں دوسرے لفظوں میں وہ انھیں اس لیے پکارتے ہیں کہ وہ اللہ کے محبوب ہیں اس لیے اگر وہ اللہ سے ان کے لیے سفارش کر دیں تو ان کی مراد بر آئے۔ یہ ایک مشرکانہ خیال ہے اور اسی خیال باطل میں مکہ کے کفار و مشرکین مبتلا تھے جس کی تردید کرتے ہوئے قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا ہے:

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ (یونس: ۱۸)

یہ لوگ اللہ کے سوا ان کی پرستش کرتے ہیں جو نہ تو انھیں نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع اور کہتے ہیں: یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں کہہ دو (اے پیغمبر) کیا تم اللہ کو ایک ایسی بات کی خبر دیتے ہو جسے وہ نہ آسمانوں میں جانتا ہے اور نہ زمین میں، پاک ہے وہ اس عیب سے اور بلند و برتر ہے اس کی ذات اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

ہم نے شروع میں سورہ بقرہ کی جو آیت (۱۸۶) نقل کی ہے وہ خدا اور اس کے بندوں کے درمیان ہر واسطہ و ایجنسی کے تصور کو رد کر دیتی ہے۔ قرآن مجید کی طرح احادیث میں بھی صرف ایک خدا سے استعانت کی تعلیم دی گئی ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم میں سے ہر شخص کو اپنی ہر حاجت خدا ہی سے مانگنا چاہئے یہاں تک کہ جوتی کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو خدا ہی سے مانگے۔"[1]

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔

---

[1] ترمذی

Marfat.com

"ایک دن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سواری پر بیٹھا ہوا تھا آپ نے فرمایا: اے لڑکے میں تجھے چند باتوں کی تعلیم دیتا ہوں: اللہ کا خیال رکھو وہ تمہارا خیال رکھے گا، اللہ کا خیال رکھو اسے اپنے سامنے پاؤ گے، جب مانگو خدا سے مانگو اور جب مدد کے طالب ہو تو خدا سے مدد مانگو۔ جان رکھو کہ اگر سارے لوگ مل کر تمہیں نفع پہنچانا چاہیں تو تجھے نفع نہیں پہنچا سکتے سوائے اس کے جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے اور اگر سب لوگ مل کر تمہیں نقصان پہنچانا چاہیں تو وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے بجز اس کے جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے، قلم اٹھا لیے گئے ہیں اور کاغذ کی سیاہی خشک ہو چکی ہے"۔[1]

مذکورہ آیات قرآنی اور احادیث نبوی سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ استعانت صرف خدا سے جائز ہے اس کے علاوہ کسی دوسرے سے حاجات و بلایا میں استمداد فعل شرک ہے۔ یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ قرآن مجید اور احادیث کی واضح تعلیمات کے باوجود آج مسلمانوں کی کثیر تعداد غیر اللہ کو پکارتی اور ان سے مدد چاہتی ہے۔ ہر مسلمان خواہ وہ جمعہ و عیدین ہی کی نماز پڑھتا ہو ان میں سورہ فاتحہ ضرور پڑھتا ہے اور خدا سے مکرر عہد کرتا ہے کہ "ہم صرف تجھ سے مدد مانگتے ہیں" لیکن اس عہد استعانت کے باوجود وہ بزرگان دین کو حاجت روا، مشکل کشا اور فریاد رس سمجھ کر ان کے مزارات پر حاضری دیتے ہیں اور ان سے استمداد کرتے ہیں۔

یقین کیجئے کہ آج ہندوستان میں مسلمان جس ذلت و بے چارگی کی زندگی گزار رہے ہیں اس کی ایک بڑی وجہ ان کی یہی عہد شکنی ہے۔ وہ ایک طرف نمازوں میں خدا سے عبادت و استعانت کا عہد باندھتے ہیں اور پھر مسجد سے باہر نکل کر اس کو توڑ ڈالتے ہیں۔ اس عہد شکنی کی سزا اس دنیا میں ذلت و غلامی (جیسا کہ ہم ہندوستان میں

---

[1] ترمذی و احمد

Marfat.com

دیکھ رہے ہیں) اور آخرت میں اللہ کی رحمت و مغفرت سے محرومی ہے۔ قرآن مجید میں ایک جگہ آیا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ وَلَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا یُزَكِّیْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ (آل عمران: ۷۷)

یقیناً وہ لوگ جو اللہ سے کیے ہوئے عہد اور (اس کے نام پر کھائی ہوئی) اپنی قسموں کو بیچ دیتے ہیں حقیر معاوضہ میں، ان لوگوں کے لیے آخرت (کی نعمتوں) میں کوئی حصہ نہیں ہے، اور نہ اللہ ان سے کلام کرے گا، نہ ان کی طرف دیکھے گا قیامت کے روز اور نہ ان کا تزکیہ کرے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

اھدنا الصراط المستقیم

اس آیت میں بندہ اللہ تعالیٰ سے صراط مستقیم پر چلنے کی دعا مانگتا ہے۔ یہ دعا تین لفظوں پر مشتمل ہے: اہدنا، صراط اور مستقیم۔ ہم پہلے ان کے لغوی معانی پر روشنی ڈالیں گے اور پھر آیت کے حقیقی مفہوم کو بیان کریں گے۔

ھُدیً وھدیا وھدایۃ: ھداہ الطریق وللطریق کے معنی ہیں: راہ بتانا دوسروں کے آگے آگے چلنا، راستہ کو پہونچوانا، واضح کرنا، رہنمائی کرنا۔ اس کے مشتقات اسمیہ میں سے ایک لفظ الہادی ہے جس کا اطلاق ہر چیز کے اگلے نمایاں حصے پر ہوتا ہے کیونکہ وہ دور سے نظر آجاتا ہے۔ اسی لیے جانوروں کی گردن کو الہادی کہا جاتا ہے کیونکہ وہ باقی بدن سے آگے ہوتی ہے۔ ھوادی الابل، اونٹوں کے اس ریوڑ کو کہتے ہیں جو آگے آگے چلتے ہیں، اسی طرح قربانی کا جانور جو حج کے موقع پر ذبح کے لیے خانۂ کعبہ لے جایا جاتا تھا ہدی کہلاتا تھا، کیونکہ وہ آگے رکھا جاتا تھا۔ الہادیۃ اس چٹان کو کہتے ہیں جو پانی میں دور سے نظر آجائے[1]

---

[1] تاج العروس، منجد۔

Marfat.com

امام طبری نے اس کے لغوی معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"عرب کہتا ہے: ھدیت فلانا الطریق وھدیتہ للطریق و ھدیتہ الی الطریق، جس کے معنی ہیں "میں نے اسے صحیح راستہ بتادیا یا اسے صحیح راہ دکھادی"۔ قرآن مجید میں ہے: فاھدوھم الی صراط الجحیم "انھیں جہنم کی راہ دکھادو یعنی اس میں داخل کردو" جب دلھن کو شوہر کے پاس لے جایا جاتا ہے تو کہتے ہیں تھدی المرأۃ الی زوجھا۔ کسی کے پاس ہدیہ بھیجنے کے معنی بھی آتے ہیں (تھدی الھدیۃ الی الرجل)

دوسرا لفظ صراط ہے۔ عام عرب اسے سراط بولتے ہیں۔ صاد سے صراط قریش کا لغت ہے۔ سراط کے معنی کسی چیز کو بغیر چبائے نگل جانے کے ہیں چنانچہ جب کوئی کھانے کا لقمہ نگل جاتا ہے تو کہتے ہیں: سرط الطعام ای ابتلعہ۔ اسی طرح اس لمبی تلوار کو جو بہت کاٹنے والی ہو، سراط کہا جاتا ہے کیونکہ وہ جس چیز پر پڑتی ہے اسے گویا نگل جاتی ہے۔ کھلے اور واضح راستے کو بھی صراط اسی لیے کہتے ہیں کہ چلنے والا اسے اس طرح قطع کرتا ہے گویا نگلتا جاتا ہے[۲] قرآن مجید میں ایک جگہ صراط مستقیم کو طریق مستقیم بھی کہا گیا ہے جس سے صراط کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے یعنی واضح اور نمایاں راستہ۔

تیسرا لفظ مستقیم ہے جس کے معنی سیدھے کے ہیں یعنی جس میں حد درجہ توازن پایا جائے۔ قرآن مجید میں ایک جگہ القسطاس المستقیم فرمایا گیا ہے (۱۷/۳۵) جس کے معنی ہیں "سیدھی ترازو" اس سے مستقیم کا مفہوم واضح ہو گیا یعنی بالکل سیدھا جس میں ذرا بھی کجی نہ ہو[۳] اس اعتبار سے صراط مستقیم اس راستے کو کہیں گے جو بالکل سیدھا ہو جس میں ذرہ برابر بھی افراط و تفریط نہ ہو یعنی حد درجہ راست، متوازن اور منزل تک جلد پہنچانے والی راہ۔

---

[۱] تفسیر طبری ج ۱ ص ۱۶۶ [۲] تاج العروس، مزید دیکھیں: روح المعانی ج ۱ ص ۷۰ و تفسیر مظہری ج ۱ ص ۹ و صفوۃ التفاسیر ج ۱ ص ۲۵ [۳] تفسیر طبری ج ۱ ص ۱۷۰

Marfat.com

اس لغوی تشریح کے مطابق اھدنا الصراط المستقیم کا مطلب یہ نکلا کہ "اے اللہ رب العلمین ہم کو وہ راہ دکھا جو بالکل سیدھی ہو جس میں بال برابر بھی بے اعتدالی نہ پائی جائے بالفاظ دیگر جو ہر نوع کی افراط و تفریط سے پاک راہ ہو"۔

اس سے پہلے کی چار آیتوں میں بندہ رب العالمین کی حمد و ستائش، اس کے لطف و کرم اور اس کے عدل اور اقتدار اعلیٰ کے اظہار و اقرار کے بعد اس کی بندگی اور اس سے استعانت کا عہد کرتا ہے۔ بادشاہ حقیقی کے حضور میں بندہ اس عہد اطاعت و استعانت کے بعد عرض مدعا کرتا ہے، لیکن اس مدعا کا تعلق کسی مادی حاجت سے نہیں بلکہ ایک روحانی حاجت یعنی طلب ہدایت سے ہے۔ وہ اپنے خالق و مالک سے اس بات کی دعا کرتا ہے کہ وہ اسے زندگی کی سیدھی، واضح اور متوازن راہ دکھائے۔ اس سیدھی اور متوازن راہ (صراط مستقیم) سے قرآن مجید کی کیا مراد ہے اس کو سمجھ لینا بہت ضروری ہے۔

مفسرین نے اس سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے اس سے صراط مستقیم کا مفہوم قطعیت کے ساتھ واضح نہیں ہوتا۔ طبری نے متعدد اقوال نقل کیے ہیں مثلاً ذکر قرآن، کتاب اللہ، دین اللہ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء اربعہ کا راستہ وغیرہ[1] صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ بعض لوگوں نے صراط مستقیم سے ملت اسلام اور بعض نے طریق حق اور اس پر استقامت مراد لی ہے[2] اس سلسلے میں سید رشید رضا لکھتے ہیں:

وقد قالوا ان المراد بالصراط المستقیم الدین او الحق او العدل او الحدود ونحن نقول انه جملة ما یوصلنا الی سعادة الدنیا والآخرة من عقاید وآداب واحکام وتعالیم[3]

---

[1] تفسیر طبری ج ۱ ص ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳ [2] روح المعانی ج ۱ ص ۸۰

امام رازی نے اس مفہوم کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ صراط مستقیم سے مراد اعمال و اخلاق میں افراط و تفریط سے بچ کر اعتدال و توسط کی راہ اختیار کرنا ہے۔ دیکھیں: روح المعانی ج ۱ ص ۷۹

[3] تفسیر المنار ج ۱ ص ۶۵، مطبوعہ بیروت۔

Marfat.com

"عام طور پر صراط مستقیم سے لوگوں نے دین حق یا عدل یا حدود مراد لیے ہیں، ہم کہتے ہیں کہ اس میں وہ تمام چیزیں داخل ہیں جو ہمارے لیے دنیا اور آخرت کی سعادت کے حصول کا ذریعہ ہیں یعنی عقاید، آداب، احکام اور تعلیمات"۔

مجھے حیرت ہے کہ صراط مستقیم کے مفہوم کی تعیین میں مفسرین کے درمیان اس قدر اختلافات کیوں پیدا ہوئے جب کہ قرآن مجید نے اس کے مفہوم کو قطعیت کے ساتھ متعین کر دیا ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ انھوں نے صراط مستقیم سے اس کا لغوی مفہوم مراد لیا اور اس اعتبار سے متذکرہ سب مفہومات اس میں آجاتے ہیں لیکن یہ قرآن مجید کی ایک اصطلاح بھی ہے اور جہاں صراط مستقیم کے الفاظ بطور اصطلاح کے استعمال ہوئے ہیں وہاں اس سے ایک متعین مفہوم مراد ہے یعنی توحید مثلاً ایک جگہ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ۝ (آل عمران: ۵۱)

بے شک اللہ ہی میرا اور تمہارا رب ہے پس اسی کی بندگی کرو یہی سیدھی راہ ہے۔

دوسری جگہ ہے:

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ۬ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ (انعام: ۱۶۱)

(اے محمدؐ) کہہ دو میرے رب نے مجھے سیدھی راہ دکھا دی ہے یعنی راست دین جس میں کوئی کجی نہیں، ابراہیم کا طریقہ جسے اس نے یکسو ہو کر اختیار کیا تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔

موخر الذکر آیت میں دین قیم اور ملت ابراہیم کے الفاظ سے صراط مستقیم کا توحیدی مفہوم بالکل واضح ہو جاتا ہے، وما کان من المشرکین کے الفاظ سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے۔ قرآن مجید کی ایک اور آیت بھی اس مفہوم کی طرف رہنمائی کرتی ہے، فرمایا ہے:

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَیْكُمْ یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ

Marfat.com

عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ (یٰسٓ: ٦١)

اے اولادِ آدم کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لے لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت (یعنی اطاعت) نہ کرنا، وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے اور یہ کہ میری ہی بندگی کرنا، یہی سیدھا راستہ ہے۔

قرآن مجید کی بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اصطلاح اپنے اندر توحید کے علاوہ بعض دوسرے مفہومات بھی رکھتی ہے جو دراصل توحید ہی کی شرح و تفصیل ہے، مثلاً ایک جگہ ہے:

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـــًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (انعام: ١٥١ تا ١٥٣)

(اے محمد) ان سے کہو کہ آؤ میں تمہیں سناؤں جو کچھ تمہارے پروردگار نے تم پر حرام کیا ہے: خدا کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ، والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو، اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم تمہیں بھی روزی دیتے ہیں اور انھیں بھی دیں گے۔ اور بے حیائی کی باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ وہ کھلی ہوں یا چھپی اور کسی جان کو جسے اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے ہلاک نہ کرو الا یہ کہ اسے حق کی خاطر ہلاک کرنا پڑے[1]، اس کی اس نے

---

[1] جیسے قصاص وغیرہ

Marfat.com

تمہیں تاکید کی ہے تاکہ تم سمجھ سے کام لو۔ اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو اچھا ہو یہاں تک کہ وہ سن بلوغ کو پہنچ جائے اور انصاف و دیانت کے ساتھ ناپ تول کرو، ہم کسی شخص پر اس کی مقدرت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے اور جب کبھی کوئی بات کہو تو انصاف کی کہو خواہ صاحب معاملہ قرابت دار ہی ہو۔ اور اللہ سے جو عہد و پیماں کرو اسے پورا کیا کرو۔ اس کا اس نے تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم یاد رکھو۔ یہ ہے میرا راستہ جو بالکل سیدھا ہے لہٰذا تم اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ اس کی راہ سے تمہیں تتر بتر کر دیں گے، اس کی اس نے تمہیں سخت تاکید کی ہے تاکہ تم کج روی سے بچو۔

آیات مذکورہ میں نو باتوں کو صراط مستقیم میں شمار کیا گیا ہے (۱) اللہ کے ساتھ اس کی ذات، صفات اور اختیارات میں کسی دوسرے کو شریک نہ کرنا (۲) والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا (۳) اولاد کو قتل نہ کرنا (۴) بے شرمی اور بے حیائی کی تمام کھلی اور چھپی باتوں سے اجتناب کرنا (۵) ناحق کسی شخص کو قتل نہ کرنا (۶) یتیم کے مال کی حفاظت کرنا اور اس کو ناروا طریقے سے کھانے سے احتراز کرنا (۷) انصاف و دیانت کے ساتھ ناپ تول کرنا (۸) باہمی معاملات میں عدل و انصاف سے کام لینا۔ (۹) اللہ سے باندھے ہوئے عہد کو پورا کرنا۔

ان تعلیمات قرآنی میں اول الذکر توحید کی تعلیم ہے اور آخر الذکر تعلیم کا تعلق بھی توحید ہی سے ہے یعنی اللہ سے باندھے ہوئے عہد کو پورا کرنا۔ اس عہد سے خدا کی اطاعت و بندگی کا عہد مراد ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ بندہ مومن، نمازوں میں جس صراط مستقیم پر چلنے کی خدا سے دعا مانگتا ہے وہ دراصل توحید کی راہ ہے اور جو شخص اس راہ پر چلنے کا آرزومند ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ متذکرہ اخلاقی ہدایات پر بھی عمل کرے جو توحید کے لازمی اخلاقی تقاضے کی حیثیت رکھتی ہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں توحید کے قرآنی مفہوم کو بھی واضح کر دیا جائے تاکہ اس باب میں کوئی غلط فہمی کسی کے ذہن میں باقی نہ رہے۔ قرآن مجید میں مختلف انبیاء و رسل کی دعوتوں

Marfat.com

کا ذکر آیا ہے جس سے توحید کے مفہوم پر واضح روشنی پڑتی ہے۔ ہمارے مورث اعلیٰ نوح علیہ السلام نے ان الفاظ میں اپنی قوم کے سامنے دعوت توحید پیش کی:

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ط .... (اعراف: ۵۹)

اے قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی الٰہ نہیں۔

ہود علیہ السلام نے فرمایا:

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ط اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ (اعراف: ۵۹)

اے قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی الٰہ نہیں، کیا تم اس سے ڈرو گے نہیں؟

صالح علیہ السلام نے فرمایا:

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ط ..... (اعراف-۷۳)

اے قوم کے لوگو، اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔

اوپر کی آیات سے توحید کا مفہوم یہ نکلا کہ اس کائنات کا صرف ایک الٰہ یعنی مقتدر اعلیٰ ہے اس کے سوا یہاں کوئی اور مرکز اقتدار موجود نہیں ہے اس لیے انسان کو اسی کی اطاعت و بندگی کرنی چاہیئے۔ توحید کی یہ تعلیم آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت میں زیادہ نمایاں طور پر ملتی ہے، ایک جگہ ہے:

قُلْ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۚ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۭ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ (یونس: ۱۰۴ تا ۱۰۷)

کہہ دو کہ اے لوگو! اگر تم میرے دین کے بارے میں کسی شک اور تردد میں ہو تو (جان لو کہ)

Marfat.com

میں ان معبودوں کی بندگی نہیں کرتا جن کی تم خدا کو چھوڑ کر بندگی کرتے ہو۔ بلکہ میں تو اس اللہ کی بندگی کرتا ہوں جو تمہیں وفات دیتا ہے اور مجھے تو یہی حکم ہوا ہے کہ میں ایمان لانے والوں میں ہوں اور (یہ بھی حکم ہوا ہے کہ) تم یکسو ہو کر دین (یعنی توحید) کی طرف متوجہ رہنا اور کبھی مشرکوں میں شامل نہ ہونا اور (یہ بھی حکم ہوا ہے کہ) خدا کو چھوڑ کر (آفات وحاجات میں) ان ہستیوں کو نہ پکارنا جو نہ تمہیں نفع پہنچا سکتی ہیں اور نہ نقصان۔ پس اگر تم نے ایسا کیا تو تمہارا شمار ظالموں (مشرکوں) میں ہوگا۔ اور اگر اللہ تمہیں کسی تکلیف میں ڈال دے تو اس کے سوا کوئی اور اس کو دور کرنے والا نہیں ہے اور اگر وہ تم کو کوئی راحت پہنچانا چاہے تو اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے۔ اس فضل سے وہ اپنے جس بندے کو چاہتا ہے نوازتا ہے — اور وہ بڑی مغفرت اور رحمت والا ہے۔

دوسری جگہ ہے:

قُلْ يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۨ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۠ (اعراف:۱۵۸)

(اے محمد) کہہ دو کہ اے لوگو، میں تم سب کی طرف اللہ کا (بھیجا ہوا) رسول ہوں جو زمین اور آسمانوں کی سلطنت کا مالک ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی جلاتا اور وہی مارتا ہے۔

ایک اور جگہ دعوت توحید کو جس میں اخلاقی ہدایات بھی شامل ہیں، ان الفاظ میں پیش کیا گیا ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاۗءَ رَحْمَةٍ

Marfat.com

مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿۲۸﴾ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً
اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾ اِنَّ رَبَّكَ
يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿۳۰﴾ وَلَا
تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ
كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿۳۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۳۲﴾
وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ
جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾
وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۪ وَ
اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ﴿۳۴﴾ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ
وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۳۵﴾ وَلَا تَقْفُ
مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ
عَنْهُ مَسْئُوْلًا ﴿۳۶﴾ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ
الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿۳۷﴾ (بنی اسرائیل : ۲۳ تا ۳۷)

تیرے رب نے حکم کردیا ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو، اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو، اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کی کسی بات پر اف نہ کرو اور نہ انھیں جھڑکو بلکہ ان سے ادب سے بات کرو اور ان سے غایت درجہ لطف و مہربانی اور تواضع سے پیش آؤ، ان کے حق میں دعا کیا کرو" پروردگار ان دونوں پر رحم فرمائیے جیسا کہ انھوں نے (شفقت و رحمت کے ساتھ) مجھے بچپن میں پالا ہے۔ تمہارا رب تمہارے دلوں کے احوال سے خوب باخبر ہے۔ اگر تم نیک بن کر رہو تو وہ بلاشبہ توبہ کرنے والوں کی خطاؤں سے درگزر کرتا ہے، رشتہ داروں کو اور مسکین و مسافر کو ان کا حق دیا کرو، فضول خرچی نہ کرو، فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔ اگر ان سے (یعنی حاجت مند رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں سے) اعراض کرنا پڑے اس

Marfat.com

بنا پر کہ ابھی تم (تنگ دستی کی حالت میں ہو اور) اللہ کی اس رحمت کو جس کے تم امیدوار ہو تلاش کر رہے ہو (یعنی رزق کی جستجو میں ہو) تو نرمی سے ان سے بات کرو۔ اور نہ تم اپنا ہاتھ گردن سے باندھ لو اور نہ بالکل پھیلا دو کہ قابل ملامت اور تہی دست بن کر بیٹھ رہو۔ تیرا رب جس کو چاہتا ہے کشادہ رزق عطا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے نپا تلا دیتا ہے، وہ اپنے بندوں کے حال سے خوب باخبر ہے، اور انھیں برابر دیکھ رہا ہے۔ اور افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو ہم انھیں بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی، بے شک ان کا قتل ایک بڑا گناہ ہے۔ اور زنا کے قریب بھی نہ جاؤ، وہ کھلی ہوئی بے حیائی اور بری راہ ہے۔ اور کسی جان کو جس کا قتل اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے، ہلاک نہ کرو مگر حق کے لیے۔ جو شخص ناحق مارا جائے تو اس کے ولی کو ہم نے (قصاص کا) اختیار دیا ہے لیکن وہ قتل میں حد سے تجاوز نہ کرے، اس کی مدد کی جائے گی۔ اور یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو بہتر ہو یہاں تک کہ وہ سن بلوغ کو پہنچ جائے۔ اور اپنا عہد پورا کرو، عہد کی باز پرس کی جائے گی۔ اور پیمانے سے دو تو پورا بھر کر دو اور جب تولو تو سیدھی ترازو سے تولو۔ یہ ایک اچھی بات ہے اور انجام کار بھی نہایت عمدہ ہے۔ اور جس بات کا تمہیں علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑو، یقیناً آنکھ، کان اور دل سب کے بارے میں ہر ایک سے باز پرس ہوگی۔ اور زمین پر اکڑ کر نہ چلو تم نہ زمین کو پھاڑ سکتے ہو نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتے ہو۔

توحید اور اخلاق حسنہ کی اس متفقہ انبیائی دعوت کی پیروی ہر دور میں خدا کے تمام صالح بندوں نے بھی کی ہے، لقمان علیہ السلام ان الفاظ میں اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہیں:

يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰي وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓي اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۡ

Marfat.com

وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ ۝ يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ
فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ
اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۝ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ
الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰي مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝
وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ
اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ
مِنْ صَوْتِكَ ۭ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۝ (لقمان: ۱۲تا۱۹)

بیٹا، خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق (حسن سلوک کی) تاکید کی ہے۔ اس کی ماں نے پے در پے ضعف اٹھا کر اس کو پیٹ میں رکھا، اور دو سال میں اس کا دودھ چھوٹتا ہے۔ (ان احسانات کا تقاضا ہے کہ) تم میرا اور اپنے والدین کا شکر بجا لاؤ۔ میری ہی طرف پلٹ کر آنا ہے لیکن اگر وہ دونوں تم پر اس بات کے لیے دباؤ ڈالیں کہ تم میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ جس کی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں، تو ان کی بات ہرگز نہ مانو البتہ دنیا میں ان کے ساتھ اچھے ڈھنگ سے زندگی بسر کرو۔ اور اسی کی راہ پر چلو جو میری طرف راغب ہو۔ آخر الامر میری ہی طرف تم سب کو پلٹ کر آنا ہے اس وقت میں تمہیں بتاؤں گا جو کچھ تم (دنیا میں) کرتے تھے (اور لقمان نے کہا تھا کہ) بیٹا، کوئی عمل رائی کے دانے کے برابر ہو پھر وہ کسی پتھر کے اندر یا آسمانوں میں یا زمین میں کہیں بھی (پوشیدہ) ہو اللہ اسے ضرور نکال لائے گا۔ بیشک اللہ بڑا باریک بیں اور باخبر ہے۔ بیٹا، نماز قائم کرو، نیکی کا حکم دو، بدی سے منع کرو اور (اس راہ میں) جو مصائب پیش آئیں ان کو برداشت کرو۔ بیشک یہ عزیمت کی بات ہے۔ لوگوں سے منہ پھیر کر بات نہ کرو اور نہ زمین میں شیخی کے ساتھ چلو، اللہ کسی متکبر اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ اپنی چال میں میانہ روی

Marfat.com

اختیار کرو اور اپنی آواز کو پست رکھو، آوازوں میں سب سے بری آواز گدھوں کی آواز ہے۔

سطور بالا میں صراط مستقیم یعنی توحید اور اخلاق حسنہ کی جس قرآنی راہ کی نشاندھی کی گئی ہے اس کو پیش نظر رکھ کر مسلمان سوچیں کہ کیا وہ فی الواقع اس راہ پر چل رہے ہیں حقیقت یہ ہے کہ آج مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ توحید اور اخلاق حسنہ کی قرآنی راہ کو چھوڑ کر شرک اور اعمال غیر حسنہ کی راہوں میں گام زن ہے لیکن پھر بھی عالم جہل و بے خبری میں نمازوں میں یہی کہے جاتا ہے "اے اللہ ہم کو صراط مستقیم پر چلا"۔

صراط الذین انعمت علیہم

اس سے پہلے کی آیت میں بندہ اللہ تعالیٰ سے صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کی دعا کرتا ہے اور اس آیت میں مقصود دعا کی مزید وضاحت کرتا ہے یعنی وہ ان لوگوں کی سیدھی راہ پر چلنے کا خواہش مند ہے جن کو اللہ نے اپنے انعامات سے سرفراز فرمایا ہے اس وضاحت کی ضرورت بندے کو کچھ اس وجہ سے نہیں پیش آئی کہ اللہ تعالیٰ بندے کے مقصود دعا کو سمجھنے سے قاصر تھا بلکہ یہ وضاحت اس کے ذوق طلب کو نمایاں کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ وہ دل سے صراط مستقیم کا طلب گار ہے۔

اس آیت میں دو باتیں تشریح طلب ہیں، ایک یہ کہ بندہ جس منعم علیہ گروہ کی سیدھی راہ پر چلنے کا خواستگار ہے اس سے مراد کون لوگ ہیں؟ دوسری یہ کہ خود انعام کا مفہوم کیا ہے؟ ان دونوں باتوں کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم پہلے نعمت اور انعام کے لغوی معانی کا تعین کرلیں۔

انعَم: آسودہ حال بنانا، نعمت عطا کرنا (احزاب: ۳۷) انعم اللہ صباحك "خدا تمہاری صبح اچھی کرے" انعم اللہ بك عینًا "اللہ تمہاری وجہ سے آنکھ کو آسودہ کرلے"[1]

---

[1] تاج و منجد

Marfat.com

نعم بہ عینًا" اس نے کسی شے یا منظر کو ایسی کیفیت لیے ہوئے پایا کہ جس سے آنکھوں کو سرور حاصل ہوا۔

تنعیمۃ، اس پودے کو کہتے ہیں جو سطح آب پر پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کے پتے نرم و نازک اور ہمیشہ سرسبز و شاداب نظر آتے ہیں۔ ملائم اور آرام دہ کپڑے کو ثوب ناعم کہتے ہیں۔ الناعمۃ، المناعمۃ والمنعمۃ، اس عورت کو کہتے ہیں جس کی زندگی آسودگی اور خوشگواری میں بسر ہو رہی ہو[1]

اس میں بلندی کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔ النعامۃ اس بلند عمارت کو کہتے ہیں جو کسی پہاڑ کی سطح مرتفع پر سائبان کی طرح ہو۔ راستے کے نشان، کنوئیں میں اٹھے ہوئے پتھر اور جھنڈے کو بھی کہتے ہیں۔ شتر مرغ کو بھی کہتے ہیں کیونکہ اس کی گردن اٹھی ہوئی ہوتی ہے[2]

النعمۃ، وہ حالت ہے جو انسان کے لیے باعثِ لذت و راحت ہو[3] مسرت مال و دولت اور خوشحالی کے معنی بھی آتے ہیں[4] قرآن مجید میں یہ لفظ دنیا اور آخرت دونوں کی راحت و آسائش کے لیے استعمال ہوا ہے، سورہ نحل میں دنیوی زندگی کے مختلف سازو سامان کے ذکر کے بعد ارشاد ہوا: کذالک یتم نعمتہ علیکم (۱۶/۸۱) "اسی طرح وہ تم پر اپنی نعمتیں تمام کرتا ہے" سورہ لقمان میں اس سامان کو جو کشتیوں کے ذریعہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جاتا ہے نعمت اللہ کہا گیا ہے (۳۱/۳۱)

سورہ غاشیہ میں فرمایا ہے: وجوہ یومیذ ناعمۃ "بہت سے چہرے اس دن آسودہ حال اور بارونق ہوں گے" اس کے بالمقابل اوپر کی آیت میں فرمایا ہے: وجوہ یومئذ خاشعۃ عاملۃ ناصبۃ "بہت سے چہرے اس دن ذلیل و پست، مصیبت زدہ اور خستہ ہوں گے۔ اقوام عالم پر فضیلت بھی ایک بڑی نعمت ہے (۲/۴۷) دین اسلام کو بھی نعمت کہا گیا ہے: الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا (۵/۳) "آج ہم نے تمہارے دین کو تمہارے

---

[1] تاج [2] تاج و منجد [3] مفردات راغب [4] تاج

Marfat.com

لیے مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور پسند کیا اسلام کو تمہارے لیے بطور ایک دین کے۔"

نعمت اور انعام کے اس لغوی مفہوم کی روشنی میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ منعم علیہم سے مراد وہ گروہ انسانی ہے جو مادی اور روحانی دونوں اعتبار سے آسودگی قلب کے بلند ترین مقام پر فائز ہوتا ہے، قرآن مجید نے منعم علیہ گروہ کی نشاندھی ان الفاظ میں کی ہے۔

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ (نسآء: ۶۹)

پس یہ لوگ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے اپنا انعام فرمایا یعنی انبیاء، صدیقین شہداء اور صالحین کے ساتھ۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ بندہ، انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی سیدھی راہ کی اتباع کا خواہش مند ہے اور ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ انبیاء کی یہ راہ توحید اور اخلاق حسنہ کی راہ تھی۔ اس منعم علیہ گروہ پر اللہ نے ہر دور میں جو انعام فرمایا وہ ہدایت اور اخلاقی فضیلت کا انعام تھا۔ فی الواقع ایک بندۂ صالح کے لیے اس سے بڑا انعام اور کیا ہو سکتا ہے کہ اسے راہ ہدایت مل جائے جس پر چل کر وہ دنیا اور آخرت دونوں میں اپنے خالق و مالک کی رضا و خوشنودی حاصل کر سکے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں دنیوی انعام شامل نہیں ہے۔ اوپر ہم نے نعمت اور انعام کے جو لغوی معانی قرآنی آیات کی روشنی میں بیان کیے ہیں ان سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ انعام میں دنیوی انعام بھی شامل ہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بہت سے صالح بندوں کو جن میں انبیاء و رسل بھی شامل ہیں، دنیوی انعامات سے نوازا ہے چنانچہ ان میں سے بعض کو اس نے ملک و حکومت عطا کی اور بعض انبیاء و رسل کے لیے ہوا، سمندر اور غیر انسانی مخلوقات تک کو مطیع و منقاد بنا دیا اس لیے کہ یہ ناممکن ہے کہ کوئی گروہ انسانی صراط مستقیم پر چلے اور اسے روحانی انعام کے ساتھ دنیوی انعامات حاصل نہ ہوں۔

غیر المغضوب علیہم ولا الضالین

یہ سورہ فاتحہ کی آخری آیت ہے۔ اس میں صرف ایک لفظ قابل تشریح ہے یعنی ضلالت

Marfat.com

اس کے متعدد لغوی معنی ہیں: بھول جانا، ایک شے کا دوسری شے میں رل مل کر معدوم ہو جانا، کوشش کا رائیگاں جانا، راستہ بھٹک جانا وغیرہ[1]۔

قرآن مجید میں یہ لفظ ان چاروں معانی میں استعمال ہوا ہے۔ سورہ بقرہ میں ہے: اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰهُمَا الْاُخْرٰى (۲/۲۸۲) "اگر ان میں سے ایک بھول جائے تو دوسری عورت اس کو یاد دلا دے" سورہ سجدہ میں ہے: وقالوا ءاذا ضللنا فی الارض ءانا لفی خلق جدید (۳۲/۱۰) "وہ کہتے ہیں، کیا جب ہم زمین میں رل مل جائیں گے تو پھر کیا ہم نئے سرے سے پیدا کیے جائیں گے"۔ سورہ کہف میں ہے: الّذین ضل سعیھم فی الحیوٰۃ الدنیا (۱۸/۱۰۴) "وہ لوگ جن کی کوششیں اس دنیا میں اکارت گئیں"، سورہ قلم میں ہے: فلمّا راوھا قالوا انا لضآلّون (۶۸/۲۶) "جب انھوں نے باغ کو دیکھا تو کہنے لگے، ہم یقیناً راستہ بھٹک گئے ہیں"۔ آیۂ زیر بحث میں یہ لفظ موخر الذکر معنی میں استعمال ہوا ہے۔

صرف صحیح راہ کا جان لینا کافی نہیں ہے بلکہ غلط راہ سے آگاہی بھی نہایت ضروری ہے کیونکہ یہ عین ممکن ہے کہ کوئی غلط راہ میں چل پڑے اور اپنی جگہ یہی سمجھتا رہے کہ وہ صحیح راہ پر چل رہا ہے۔ اسی لیے بندہ دعا میں مثبت اور منفی دونوں پہلو اختیار کرتا ہے چنانچہ ماقبل کی آیت دعا کا مثبت پہلو لیے ہے یعنی بندہ اس آیت میں ان لوگوں کی راہ پر چلنے کی دعا کرتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں اپنے فضل و کرم سے نوازا ہے یعنی انبیاء، صدیقین، شہدا اور صالحین، اور آخری آیت منفی پہلو لیے ہے یعنی اس آیت میں بندہ دو طرح کے لوگوں کی راہ پر چلنے سے خدا کی پناہ مانگتا ہے، ایک وہ لوگ جو کتاب و شریعت پانے کے بعد خدا کے احکام و ہدایات سے منحرف ہو گئے اور علانیہ بغاوت و سرکشی کی راہ میں گامزن ہوئے اور نتیجے کے طور پر ان پر خدا کا قہر و غضب نازل ہوا، انہی کو آیت میں "مغضوب" کہا گیا

---

[1] منجد: ضل الطریق او عنہ: راستہ بھٹکنا، ضل الشیٔ عنہ: چیز کا ضائع ہونا، ضل سعیہ: کوشش میں ناکام ہونا۔ ضل الرجل: مر کر مٹی اور ہڈی بن جانا۔

Marfat.com

ہے۔ اور دوسرے وہ لوگ جو کتاب و شریعت پا کر خدا کے باغی و منکر تو نہ بنے لیکن غلو فی الدین کے مرتکب ضرور ہوئے اور جس کی وجہ سے وہ دین کی سیدھی راہ سے بھٹک گئے انہی کو آیت میں ضالین کہا گیا ہے۔ عدی بن حاتمؓ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مغضوب سے یہود اور ضالین سے نصاریٰ مراد ہیں[1] قرآن مجید کی بعض آیات سے اس حدیث کی تائید ہوتی ہے مثلاً ایک جگہ آیا ہے:

قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذَٰلِكَ مَثُوبَةً عِندَ اللَّهِ ۚ مَن لَّعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ ۚ أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضَلُّ عَن سَوَاءِ السَّبِيلِ ۝

(مائدہ ۵ : ۶۰)

(اے محمد) کہو: کیا میں تمہیں بتاؤں خدا کے حضور انجام کے اعتبار سے کون زیادہ بدتر ہے؟ وہ جن پر خدا نے لعنت کی، جن پر اس کا غضب نازل ہوا، جن میں سے بندر اور سور بنائے گئے، جنھوں نے طاغوت (کاہن اور دوسرے مقتدیٰ) کی اطاعت و بندگی کی، یہی لوگ ہیں جو سب سے زیادہ بدتر درجے میں ہیں اور سیدھی راہ سے بھی بالکل بھٹکے ہوئے ہیں۔

دوسری جگہ ہے:

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِن قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَن سَوَاءِ السَّبِيلِ ۝ (مائدہ ۵ : ۷۷)

اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو (یعنی حد اعتدال سے نہ گزر جاؤ) اور اس گروہ کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو تم سے پہلے گمراہ ہو چکا ہے اور بہتوں کو گمراہ کر چکا ہے اور وہ سیدھی راہ سے بھٹک گئے۔

---

[1] تفسیر طبری ج ۱، ص ص ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵ مزید دیکھیں، تفسیر مظہری ج ۱ ص ۱۰

Marfat.com

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ "مغضوب اور ضالین" کا اطلاق ہر حال میں بس یہود و نصاریٰ پر ہوتا ہے۔ عہد رسالت میں ان دونوں قوموں کے جو عقاید و اعمال تھے ان کی وجہ سے ان کو مغضوب اور ضالین کہا گیا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے علاوہ جس قوم کے بھی عقائد و اعمال ان کے جیسے ہوں گے ان کا شمار بھی مغضوب اور ضالین کے زمرے میں ہوگا خواہ وہ مسلمان ہوں اور خواہ کوئی اور قوم۔ اگر یہود و نصاریٰ اپنے عقائد و اعمال کی اصلاح کر لیتے ہیں تو وہ اس زمرے سے خارج ہو سکتے ہیں۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی خاص قوم سے نہ الفت ہے اور نہ کسی خاص قوم سے نفرت، اس کے یہاں الفت و نفرت کا معیار انسانوں کے عقائد و اعمال ہیں اور یہی اس کی نظروں میں ایک قوم کو نامرغوب اور دوسری کو مرغوب و محبوب بناتے ہیں۔

مسلمان نمازوں میں جہاں خدا کے نیکوکار و برگزیدہ بندوں کی سیدھی راہ پر چلنے کی دعا مانگتے ہیں وہاں مغضوب اور ضالین کی اتباع سے بھی خدا کی پناہ مانگتے ہیں لیکن یہ جاننے کی مطلقاً کوشش نہیں کرتے کہ مغضوب اور ضالین کی راہ ہے کیا۔ اس بے توجہی اور ناواقفیت کے پیش نظر نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مغضوب اور ضالین کے عقاید و اعمال کو قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا جائے تاکہ مسلمان اپنے عقائد و اعمال کا دیانت دارانہ جائزہ لیں اور اپنے ذہنی و اخلاقی زوال و انحطاط کے حقیقی اسباب سے صحیح طور پر آگاہ ہو سکیں۔

مغضوب یعنی یہودیوں کے عقائد و اعمال

کسی قوم کی مذہبی اور اخلاقی حالت کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس قوم کے مذہبی رہنماؤں یعنی علماء کی مذہبی اور اخلاقی حالت کو دیکھا جائے۔ مذہبی اور اخلاقی اعتبار سے جیسا کچھ حال علماء دین کا ہوگا تقریباً ویسا ہی حال عوام الناس کا بھی ہوگا کیونکہ عوام اپنی جہالت اور تعلیمات دین سے بے خبری کی وجہ سے علماء دین ہی کے اقوال و اعمال کا اتباع کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں جن مقامات پر یہودیوں کے عقائد و اعمال کا ذکر آیا ہے

Marfat.com

وہاں عام طور سے روئے خطاب علماء یہود کی طرف ہے مثلاً سورہ بقرہ میں ایک جگہ ارشاد ہے:

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۠ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ۝ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَي الْخٰشِعِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـــًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ (بقرہ: ۴۰ تا ۴۸)

اے بنی اسرائیل! یاد کرو میرے اس فضل وکرم کو جس سے میں نے تمہیں نوازا تھا۔ تم میرے عہد کو پورا کرو، میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا اور مجھ ہی سے ڈرو۔ اور ایمان لاؤ اس کتاب پر جو میں نے بھیجی ہے، تصدیق کرتی ہے اس چیز کی جو تمہارے صحیفوں میں موجود ہے، لہٰذا سب سے پہلے تم ہی اس کے منکر نہ بن جاؤ۔ اور میری آیات کے بدلے میں ناچیز مال ومتاع نہ لو اور میری نافرمانی سے بچو۔ اور حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کر کے مشتبہ نہ بناؤ اور نہ جانتے بوجھتے حق کو چھپاؤ۔ نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور (اللہ کے حضور) جھکنے والوں کے ساتھ تم بھی جھکو۔ یہ کیا کہ تم لوگوں کو نیکی کا درس دیتے ہو مگر اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو۔ کیا تم عقل سے ذرا بھی کام نہیں لیتے؟ صبر اور نماز سے مدد چاہو، بیشک نماز (کی پابندی) ایک مشکل کام ضرور ہے لیکن ان اطاعت گزار

Marfat.com

بندوں کے لیے بالکل مشکل نہیں جو سمجھتے ہیں کہ (ایک روز) انھیں اپنے پروردگار سے ملنا ہے اور اسی کی طرف انھیں پلٹ کر جانا ہے۔ اے بنی اسرائیل! یاد کرو میری اس نعمت کو جس سے میں نے تمہیں نوازا تھا اور اس بات کو بھی کہ میں نے تمہیں دنیا کی قوموں پر فضیلت عطا کی تھی۔ اور ڈرو اس دن سے جب کسی شخص کے لیے کچھ کرنا کسی کے اختیار میں نہ ہوگا، نہ کسی کی سفارش سنی جائے گی، نہ کسی سے کوئی فدیہ (معاوضہ) قبول کیا جائے گا اور نہ ان لوگوں کی حمایت کی جاسکے گی۔

ان آیات کے سیاق وسباق سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں اصل مخاطب علماء یہود ہیں اگرچہ خطاب عام ہے۔ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء یہود درج ذیل خرابیوں میں مبتلا تھے:

(۱) عہد شکنی: خدا سے باندھے ہوئے عہد کو توڑنے میں وہ انتہائی بے باک تھے۔ اس عہد شکنی کا ذکر قرآن مجید میں ایک جگہ ان لفظوں میں آیا ہے:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۖ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ (بقرہ: ۸۳)

اور یاد کرو جب کہ ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرنا، ماں باپ کے ساتھ، رشتے داروں کے ساتھ، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا، لوگوں سے بھلی بات کہنا، نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا مگر تھوڑے آدمیوں کے سوا تم سب اس عہد سے برگشتہ ہو گئے اور ہدایت کی طرف سے تمہارے رخ ہی پھرے ہوئے ہیں۔

(۲) خوف خدا کا فقدان: علماء یہود کے دلوں سے خدا کا خوف بالکل نکل چکا تھا۔ ان کی بے خوفی اور بے باکی کا واضح ثبوت ان کا یہ گستاخانہ قول ہے: لقد سمع اللہ قول الذین قالوا ان اللہ فقیرٌ ونحن اغنیاء ..... (آل عمران - ۱۸۱) "اللہ

Marfat.com

نے ان لوگوں کی بات سن لی ہے جنھوں نے کہا کہ اللہ محتاج ہے اور ہم غنی ہیں"۔ دلوں سے خوف خدا نکل جانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ انسانوں کا ڈر ان کے دلوں میں بیٹھ گیا اور وہ حق بات کہنے سے گریز کرنے لگے۔ وہ عوام کو ہمیشہ وہی باتیں بتاتے تھے جو مروجہ عقائد اور اعمال و رسوم سے مطابقت رکھتی تھیں صرف اس خوف سے کہ کہیں حق بات کہنے سے ان کی مذہبی قیادت اور دنیوی عیش و آرام خطرے میں نہ پڑ جائے۔ ان کے اس طرز عمل پر قرآن مجید میں ایک جگہ ان کو تنبیہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: فلا تخشوا الناس واخشون (مائدہ-۴۴) "لوگوں سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو"۔

۳- دین فروشی: علماء یہود نے خدا کی کتاب اور اس کے دین کو ذریعہ معاش بنالیا تھا اسی کو آیت میں "ولا تشتروا بآیتی ثمنًا قلیلًا" کہا گیا ہے۔ اس دین فروشی کی مختلف صورتیں تھیں مثلاً روپئے لے کر غلط فتوے دینا، روپئے لے کر تورات کی آیات سنانا، روپئے لے کر وعظ و نصیحت کرنا اور روپئے لے کر تعویذ و گنڈے دینا وغیرہ۔

۴- تلبیس حق و کتمان حق: علماء یہود دیدہ و دانستہ اللہ کی کتاب یعنی تورات کی غلط تشریح و تاویل کر کے حق اور باطل کو باہم خلط ملط کر دیتے تھے۔ اس کے علاوہ تورات کے احکام و ہدایات کو وہ عوام سے چھپاتے تھے تاکہ ان کا کاروبار دین فروشی کسی روک ٹوک کے بغیر جاری رہ سکے۔ اس کے علاوہ تورات میں آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے متعلق جو خبریں تھیں وہ ان کو بھی چھپاتے تھے۔

۵- ترک عبادات: علماء یہود کی بے عملی اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ وہ نماز اور زکوٰۃ جیسے اہم دینی فریضے سے غافل ہو چکے تھے اور اگر بعض ادا بھی کرتے تھے تو محض دکھاوے کے لیے۔

۶- تکبر: علماء یہود میں غرور اور تکبر حد سے زیادہ تھا۔ وہ خود کو عام لوگوں سے بلند تصور کرتے تھے اور اس بات کی توقع رکھتے تھے کہ بازار اور مجالس میں لوگ ان کا غیر معمولی احترام کریں اور ان سے اظہار عقیدت میں مبالغہ سے کام لیں۔ اس غرور و خودنمائی کی وجہ ان کا تارک نماز ہو جانا تھا اسی لیے آیت مذکورہ میں اقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ

Marfat.com

کے بعد فرمایا ہے: وارکعوا مع الراکعین "جھکنے والوں کے ساتھ تم بھی جھکو" اس حکم سے ان کو یہ بتانا مقصود ہے کہ عبادت کی اصل حقیقت خدا کے سامنے غایت درجہ عجز و تذلل کا اظہار ہے اور تمہارے اندر کبر و نخوت صرف اس لیے پیدا ہو گیا ہے کہ تم نے نماز چھوڑ رکھی ہے جو بندے کے اندر عجز و فروتنی کے جذبات پرورش کرتی ہے، اور تم میں سے جو نماز پڑھتے ہیں وہ عبادت کی اس حقیقت سے بالکل بے خبر ہیں اس لیے نماز پڑھنے کے باوجود کبر و نخوت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

۷۔ قول و فعل میں تضاد: علماء یہود عوام کو منبروں سے وعظ و نصیحت کرتے اور ان کو نیکی اور تقویٰ کا درس دیتے تھے لیکن خود نیکی و تقویٰ کی راہ پر دو قدم بھی نہیں چلتے تھے حالانکہ وہ تورات برابر پڑھتے تھے اور اس امر سے بخوبی آگاہ تھے کہ عالم دین ہونے کی حیثیت سے ان پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور اس سے بھی واقف تھے کہ قول و فعل میں تضاد اللہ کو سخت ناپسند ہے اور روز آخرت خرابی کا موجب بھی لیکن اس کے باوجود وہ کہتے کچھ تھے اور کرتے کچھ اور تھے۔ علماء یہود کے تضاد قول و فعل کا ذکر انجیل میں بھی آیا ہے، عیسیٰ علیہ السلام ایک جگہ فرماتے ہیں:

> "فقیہہ اور فریسی (علماء یہود) موسیٰ کی گدی پر بیٹھے ہیں ۰ پس جو کچھ وہ تمہیں بتائیں وہ سب کرو اور مانو لیکن ان کے سے کام نہ کرو کیونکہ وہ کہتے ہیں اور کرتے نہیں ۰ وہ ایسے بھاری بوجھ جن کا اٹھانا مشکل ہے باندھ کر لوگوں کے کندھوں پر رکھ دیتے ہیں مگر خود ان کو اپنی انگلی سے بھی ہلانا نہیں چاہتے ۰ وہ سب کام لوگوں کو دکھانے کے لیے کرتے ہیں"[1]

۸۔ عقیدہ شفاعت: علماء یہود نے اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے شفاعت کا ایک ایسا غلط تصور عام لوگوں کے ذہنوں پر مرتسم کر دیا تھا کہ وہ اعمال حسنہ سے یکسر غافل

---

[1] متی باب ۲۳: آیات ۶

Marfat.com

اور محاسبۂ آخرت سے بالکل بے خوف ہو چکے تھے۔ ان کی اکثریت اس بات پر یقین رکھتی تھی کہ وہ کچھ بھی کریں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دوسرے بزرگان قوم روز آخرت ان کی ضرور شفاعت کریں گے اور جہنم کی سزا سے انھیں بچالیں گے۔ اس غلط خیال کی تردید آیت مذکورہ میں کی گئی ہے۔ عقیدہ شفاعت کے غلط تصوّر کا ایک نتیجہ ان کا یہ خیال بھی تھا کہ: لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً (بقرہ۔۸۰) "ہم کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی مگر صرف گنتی کے چند دن"۔ علمار یہود نے عوام کو باور کرا رکھا تھا کہ اوّل تو وہ بزرگان قوم کے صدقے میں جہنم میں جائیں گے نہیں اور اگر بفرض محال گئے بھی تو بس چند دنوں کے لیے اس کے بعد وہ جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دیے جائیں گے، اس خیال باطل کی تردید قرآن مجید نے ان لفظوں میں کی ہے:

قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (بقرہ: ۸۲)

کہو، کیا تم نے اللہ کے پاس اس کے لیے کوئی عہد کرا لیا ہے کہ اللہ اپنے عہد کی خلاف ورزی نہ کرے گا یا تم اللہ کی طرف ایک ایسی بات منسوب کرتے ہو جس کے بارے میں تم کو کوئی علم نہیں، آخر تمہیں دوزخ کی آگ کیوں نہ چھوئے گی؟ جس کسی نے برائی کمائی اور اس کے گناہوں نے اسے گھیر لیا تو وہی لوگ دوزخ والے ہیں اور دوزخ ہی میں ہمیشہ رہیں گے، اور جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے اچھے کام کیے تو وہی لوگ جنت والے ہیں اور جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔

سطور بالا میں علمار یہود کے عقائد و اعمال کی جن خرابیوں کو سورہ بقرہ کی آیات کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے ان کے علاوہ بھی ان میں افکار و اعمال کی متعدد خرابیاں موجود تھیں۔ ان میں سے بعض خرابیاں اپنے نتائج کے اعتبار سے بڑی تباہ کن تھیں اور حقیقت یہ ہے کہ ان خرابیوں نے پوری یہودی قوم سے قبول حق کی صلاحیت چھین لی تھی۔ ان خرابیوں

Marfat.com

کو ہم یہاں قدرے تفصیل کے ساتھ پیش کرتے ہیں تاکہ مغضوب کی راہ عمل کے تمام اطراف و جوانب واضح ہو کر سامنے آجائیں۔

مذہبی فرقہ پرستی

یہودی خود کو دینی اور دنیوی دونوں اعتبار سے دوسری اقوام سے افضل سمجھتے تھے اور اس احساس برتری کے زیر اثر کہا کرتے تھے کہ ہدایت صرف اس کو مل سکتی ہے جو یہودی ہو جائے اور جنت میں بھی صرف یہودی جائیں گے گویا ہدایت اور جنت دونوں پر ان کو بزعم خود اجارہ داری حاصل تھی اور دوسری اقوام کو انھوں نے ان دونوں سے محروم کر دیا تھا۔ اسی خیال باطل میں عیسائی بھی مبتلا تھے، قرآن مجید میں ایک جگہ ہے:

وَ قَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ (بقرہ:۱۱۱)

اور وہ کہتے ہیں کہ جنت میں صرف یہودی جائیں گے یا (عیسائیوں کے قول کے مطابق) صرف عیسائی جائیں گے۔

دوسری جگہ ہے:

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ (بقرہ: ۱۳۵)

یہودی کہتے ہیں کہ یہودی بن جاؤ راہ راست پالو گے اور عیسائی کہتے ہیں کہ عیسائی بن جاؤ تو راہ راست پالو گے۔

اوّل الذکر خیال کی تردید قرآن مجید نے ان لفظوں میں کی ہے:

تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (بقرہ: ۱۱۲)

یہ محض ان کی آرزوئیں ہیں، ان سے کہو، اپنی دلیل پیش کرو اگر تم (اپنے اس خیال میں) سچے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ جو بھی اللہ کے آگے سرفگندہ ہو گیا اور اچھا عمل کرنے والا بھی ہوا تو اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے۔ وہاں نہ ان کے لیے کوئی خوف کی

Marfat.com

بات ہوگی اور نہ وہ وہاں غمگین ہوں گے۔

اور موخرالذکر خیال کی تردید میں فرمایا ہے:

قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

(بقرہ: ۱۳۵)

ان سے کہو: ہدایت (یہودی بن جانے میں نہیں بلکہ) ابراہیم کے طریقے پر چلنے میں ہے جو اللہ کی طرف یکسو تھا، اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔

متذکرہ آیات قرآنی سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ ہدایت اور جنت پر کسی مخصوص مذہبی فرقہ کی اجارہ داری نہیں ہے، بلکہ ہر شخص کو خواہ اس کا تعلق کسی قوم ونسل سے ہو، یہ دونوں چیزیں ایمان اور عمل صالح کی اس راہ پر چل کر حاصل ہوسکتی ہیں جس کو اوپر کی آیت میں ملت ابراہیم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ لیکن یہودیوں اور عیسائیوں دونوں نے اس قرآنی دعوت کو قبول نہ کیا اور مذہبی فرقہ پرستی کے روگ میں برابر مبتلا رہے جس کا لازمی نتیجہ فرقہ وارانہ بغض ومنافرت کی صورت میں نکلا۔ تاریخ گواہ ہے کہ یہودی اور عیسائی ایک عرصۂ دراز تک باہم مذہبی جنگ وجدل میں مصروف رہے اور ایک دوسرے کو گمراہ وبے دین کہتے رہے جیسا کہ خود قرآن مجید میں ایک جگہ آیا ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۖ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ ..... (بقرہ: ۱۱۳)

یہودی کہتے ہیں کہ عیسائی سراسر غلطی پر ہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہودی سراسر غلطی پر ہیں حالانکہ یہ کتاب (تورات) کی تلاوت کرتے ہیں (جس میں صاف طور لکھا ہوا ہے کہ کون غلطی پر ہے اور کون صحیح راہ پر چل رہا ہے)

ان دونوں فرقوں میں مذہبی اختلافات اس حد تک بڑھ گئے تھے کہ یہودی عبادت گاہوں میں عیسائیوں کو نماز کی ادائیگی سے روکتے تھے، قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر آیا ہے، فرمایا:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ

Marfat.com

أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ ۚ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ (بقرہ: ۱۱۴)

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کی مساجد میں اس کے ذکر سے روکے اور ان کی ویرانی کے درپے ہو۔ یہ لوگ اس قابل نہیں کہ مساجد میں داخل ہوں اور اگر داخل ہوں تو ڈرتے ہوئے، ان کے لیے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

علماء یہود عوام میں فرقہ پرستی اور فرقہ وارانہ نزاع کو صرف اس لیے ہوا دیتے تھے تاکہ انھیں خدا پرستی اور نیکوکاری کی راہ سے ہٹا کر فروعی مسائل و مباحث میں اس طرح الجھا دیں کہ ان کی نظریں کبھی ان کے کاروبار نفس پرستی کی طرف نہ اٹھ سکیں اور بایں طور ان کی مذہبی قیادت کا سکہ ان پر آسانی کے ساتھ چلتا رہے اور ان کے مادی مفادات محفوظ رہیں۔

اولیا پرستی

یہودی اپنی قوم کے صلحا و زہاد سے جن میں بعض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم بھی شامل تھے، غیر معمولی عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ ان کے متعلق ان کا یہ خیال تھا جیسا کہ آج کل بہت سے مسلمان اپنے اولیاء و اقطاب کے بارے میں رکھتے ہیں، کہ یہ خدا کے مقرب اور محبوب بندے ہیں اور خدا کے یہاں ان کا مقام و مرتبہ اتنا بلند ہے کہ اگر وہ کسی کے بارے میں اس سے سفارش کر دیں تو وہ ضرور سنی جاتی ہے اور اس کی حاجت پوری ہو جاتی ہے۔ وہ یہ بھی اعتقاد رکھتے تھے کہ قوم کے اولیا، روز آخرت اپنے متبعین اور نیاز مندوں کی مدد کریں گے۔

یہودی علماء نے ان باطل خیالات کی اشاعت اس شد و مد سے کی کہ پوری یہودی قوم سے توحید کی روح نکل گئی اور وہ خدائے وحدہ لاشریک کے بجائے مخلوق ہستیوں کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر پکارنے لگی۔ اس غرض کے لیے یہودی

Marfat.com

عوام جوق در جوق ان کی قبروں کی زیارت کرتے اور منتیں مانگتے تھے، مختصر یہ کہ وہ خدا پرستی کی جگہ اولیاء پرستی میں مبتلا تھے۔ قرآن مجید نے ان مشرکانہ خیالات کی تردید کی اور انھیں بتایا کہ جن اولیاء قوم کی محبت میں وہ اندھے ہو چکے ہیں اور جن کے متعلق وہ گمان رکھتے ہیں کہ وہ صاحب اختیار ہیں اور ان کی حاجت روائی کرتے ہیں وہ فی الحقیقت بالکل بے اختیار ہیں اور ان کی کوئی حاجت بھی پوری نہیں کر سکتے ہیں۔ یہ حقیقت اگر آج نہیں تو روز آخرت اس وقت ان پر بالکل عیاں ہو جائے گی جب خود ان کے اولیاء ان سے اور ان کے مشرکانہ اعمال سے اپنی لاتعلقی اور بیزاری ظاہر کر دیں گے۔ ان حقائق کو قرآن مجید نے ایک جگہ بڑے موثر پیرایہ میں بیان کیا ہے، فرمایا:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ۝ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ۝ (بقرہ: ۱۶۵ تا ۱۶۷)

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو خدا کے سوا دوسری ہستیوں کو اس کا ہم پلہ بناتے ہیں اور ان سے محبت رکھتے ہیں مثل اللہ کی محبت کے اور جو مومن ہیں وہ اللہ ہی سے قوی محبت رکھتے ہیں۔ کاش عذاب (آخرت) دیکھنے سے قبل ہی ظالموں (مشرکوں) کی سمجھ میں یہ بات آجاتی کہ ہر نوع کی قوت کا مالک اللہ ہی ہے اور یہ کہ وہ سزا دینے میں بہت سخت ہے۔ (اس حقیقت کو وہ روز آخرت اس وقت خوب اچھی طرح جان لیں گے) جب وہ لوگ جن کی وہ (اس دنیا میں) پیروی کرتے تھے ان سے اظہار لاتعلقی کر دیں گے اور وہ عذاب سے دوچار ہو کے رہیں گے اور باہم ان میں جو تعلقات تھے اس وقت سب منقطع ہو جائیں گے۔ (کوئی کسی کے کام نہ

Marfat.com

آئے گا) اور جب متبعین کہیں گے کہ اگر ہم کو ایک بار پھر دنیا میں واپس جانے کا موقع مل جاتا تو ہم ان سے (یعنی متبوعین سے) اسی طرح اظہار لاتعلقی کرتے جس طرح آج انھوں نے ہم سے قطع تعلق کر لیا ہے۔ اسی طرح اللہ ان کے اعمال کو ان کے لیے وجہ حسرت بنا کر انھیں دکھائے گا اور (حسرت وندامت کے باوجود) ان کو آگ سے نکلنا نصیب نہ ہوگا۔

ظاہر پرستی

جب کسی قوم کے اندر سے مذہب کی حقیقی روح نکل جاتی ہے تو وہ ظواہر کو اصل اور مقصود بالذات سمجھ لیتی ہے، اس کی نظر احکام دین کی اصل غرض وغایت سے ہٹ کر محض اس کی ظاہری صورتوں پر مرکوز ہو جاتی ہے اور انہی کی درستگی میں وہ اپنی ساری کوششیں صرف کرتی ہے حتی کہ اس کے نزدیک ان سے بال برابر انحراف دین سے انحراف کے ہم معنی بن جاتا ہے جیسا کہ آج کل مسلمانوں کی اکثریت کا طرز عمل ہے۔

یہودی قوم ظاہر پرستی میں سب قوموں پر سبقت لے گئی۔ انھوں نے دین موسوی کی اصل حقیقت سے صرف نظر کر کے صرف عبادات کے ظاہری اعمال واشکال کی انجام دہی کو مقصود دین سمجھ لیا۔ یہ ان کی حد سے بڑھی ہوئی ظاہر پرستی ہی تھی کہ جب مدینہ میں تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا تو انھوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بتایا کہ نادانو! تحویل قبلہ سے متعلق تمہارا سارا اضطراب اور ساری ہنگامہ خیزی محض تمہاری ظاہر پرستی کا نتیجہ ہے اور یہ مقصود دین نہیں، ارشاد ہوا۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۔ (بقرہ: ۱۴۸)

ہر ایک (قوم) کے لیے ایک قبلہ رہا ہے جس کی طرف وہ (بوقت عبادت) منہ کرتی رہی ہے اس لیے نیکی کے کاموں میں سبقت لے جانے کی کوشش کرو (کہ یہی مقصود دین ہے)

ایک دوسری جگہ روح دین (خیر وبر) کو اور زیادہ وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا:

Marfat.com

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ
الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ
وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ
السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ
وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ
وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝

(بقرہ : ۱۷۷)

نیکی یہ نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق کی طرف کرلو یا مغرب کی طرف بلکہ نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر قیامت کے دن پر، فرشتوں پر، کتابوں پر اور نبیوں پر یقین رکھے۔ اور اس کی محبت میں اپنا مال رشتہ داروں کو، یتیموں کو، مسکینوں کو، مسافروں کو، سوال کرنے والوں کو[1] اور گردن چھڑانے میں خرچ کرتا ہو۔ اور نماز قائم کرتا ہو، زکوٰۃ دیتا ہو اور جو لوگ عہد کر لینے کے بعد عہد کو پورا کرتے ہوں، اور تنگ دستی، بیماری اور جنگ میں ثابت قدم رہتے ہوں، ایسے ہی لوگ سچے ہیں (اپنے دعوائے ایمان میں) اور یہی لوگ فی الواقع خدا ترس ہیں۔

یہ بھی یہودیوں کا ظاہر پرستی میں غلو ہی تھا جس کی وجہ سے وہ عیسائیوں کے محض اس بنا پر دشمن ہو گئے تھے کہ وہ ان کے قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرنے کے بجائے دوسری طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے تھے۔ اس مسئلہ پر جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے، ان کی دشمنی اس حد تک بڑھ گئی کہ انھوں نے عیسائیوں کو عبادت گاہوں میں نماز کی ادائیگی سے روک دیا تھا۔ قرآن مجید نے ان ظاہر پرستوں کو بتایا کہ خدا کسی خاص سمت میں محدود نہیں، بلکہ اس کی ذات ہمہ جہت ہے جس طرف بھی منہ کرلو وہ اس طرف موجود ہے۔ اس

[1] سائل سے مراد پیشہ ور بھیک مانگنے والے نہیں، انھیں تو بھیک دینا بھی گناہ ہے، بلکہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو واقعی حاجت مند ہیں۔ رسول اکرمؐ نے صرف اس شخص کو سوال کرنے کی اجازت دی ہے جس کے گھر میں ایک دن (صبح و شام) کا کھانا بھی نہ ہو۔ (صحاح)

Marfat.com

لیے اختلاف قبلہ کی بنیاد پر باہم نفرت وعداوت رکھنا روح عبادت سے بے خبری کی دلیل ہے، فرمایا :

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ (بقرہ — ۱۱۵)

(سب جہتیں) مشرق بھی اور مغرب بھی اللہ ہی کی ہیں پس تم جس طرف رخ کرلو اس طرف اللہ کا رخ ہے۔ بے شک اللہ بے کراں اور زبردست علم رکھنے والا ہے۔

اختلاف قبلہ کی بنا پر یہودیوں اور عیسائیوں کی آویزش پر کسی کو متعجب نہ ہونا چاہیے۔ اس المناک واقعے سے مسلمانوں کی تاریخ بھی خالی نہیں ہے۔ اسی ہندوستان میں آج بھی مختلف مذہبی فرقوں کی مساجد الگ الگ موجود ہیں اور ایک ایسا دور بھی گذرا ہے جب ایک فرقہ کا آدمی دوسرے فرقہ کی عبادت گاہ میں نماز ادا نہیں کرسکتا تھا۔ حیرت ہے کہ اس باب میں قرآن مجید کی واضح تعلیمات کے باوجود مسلمان بھی ظاہر پرستی کے روگ سے محفوظ نہ رہ سکے اور آج تک اس میں مبتلا ہیں۔

اندھی تقلید

جس طرح جسم انسان کو مختلف امراض لاحق ہوتے ہیں اسی طرح روح کے بھی امراض ہیں۔ ان امراض میں سب سے بڑا مرض اندھی تقلید ہے جس سے قویٰ عقلیہ کمزور ہوجاتے ہیں۔ جن افراد کی عقلوں کو یہ بیماری لاحق ہوتی ہے ان کے اندر سے رفتہ رفتہ غور وفکر اور امتیاز حق وباطل کی صلاحیت زائل ہوجاتی ہے۔ ان کی حالت بالکل جانوروں کی سی ہوجاتی ہے جو ہر کان پڑی آواز پر چل کھڑے ہوتے ہیں۔ ایسے اندھے مقلدین کو دین کے نام سے جو بات بھی بتادی جاتی ہے وہ اس کو کسی تحقیق کے بغیر قبول کرلیتے ہیں اور اس طرح حرز جاں بنالیتے ہیں کہ پھر کسی قیمت پر اس سے دست بردار نہیں ہوتے۔

جب یہ بیماری چند افراد سے گذر کر پوری قوم کو لاحق ہوجاتی ہے جیسا کہ آج کل مسلم

Marfat.com

قوم کو لاحق ہے تو بڑی مہلک ثابت ہوتی ہے۔ ایسی قوم عرصۂ حیات میں کبھی عروج و سربلندی حاصل نہیں کر سکتی، بلکہ اسے ہر قدم پر پستی و ذلت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہودی قوم کا تقریباً یہی حال تھا۔ ان کے علماء نے پوری قوم کو اندھی تقلید کی زنجیروں میں پورپور اس طرح جکڑ دیا تھا کہ کسی مسئلہ پر آزادانہ غور و فکر کرنا ان کے لیے ناممکن ہو گیا تھا۔ چنانچہ جب ان کو پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر ایمان لانے کی پیہم تلقین کی گئی تو ان کے تقلید زدہ ذہن نے ان کی زبان سے جو فقرہ کہلایا وہ یہ تھا:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـــًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝

(بقرہ: ۱۷۰)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو (حکم) اللہ نے نازل کیا ہے اس پر چلو تو کہتے ہیں کہ ہم اسی طریقہ پر چلیں گے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ خواہ ان کے باپ دادا فہم (دین) سے عاری اور ہدایت سے بالکل بے بہرہ ہوں۔

آیت میں "اٰبَآءَنَا" سے اشارہ دینی پیشواؤں کی طرف ہے یعنی وہ کہتے تھے کہ ہمارے علماء و مشائخ جس دین پر چلتے آئے ہیں ہم بھی اسی پر چلیں گے اس کے علاوہ کسی دوسرے دین کو ہرگز قبول نہ کریں گے۔ اگلی آیات میں یہودیوں کو ان کے اس کورانہ تقلیدی عمل کی وجہ سے جانوروں سے مشابہ قرار دیا گیا ہے، فرمایا:

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَاۗءً وَّنِدَاۗءً ۭ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ (بقرہ: ۱۷۱)

منکرین حق کی مثال اس شخص کی سی ہے جو جانوروں کے پیچھے ان کو ہانکتا پکارتا ہے حالانکہ وہ بجز ہانک اور پکار کے اور کچھ نہیں سنتے۔ یہ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں (انھیں لاکھ سمجھاؤ مگر) کچھ بھی نہیں سمجھتے۔

کتاب الٰہی کی غلط تاویل و تشریح

علماء یہود کا جرم صرف یہ نہ تھا کہ انھوں نے تورات کی تعلیم پر عمل کرنا چھوڑ دیا تھا

Marfat.com

بلکہ اس سے بڑا جرم یہ تھا کہ وہ کتاب الٰہی یعنی تورات کی غلط تاویل وتفسیر کرکے عوام کو گمراہ کرتے تھے اور انھیں پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے روکتے تھے۔ ان تحریفات کا ذکر قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آیا ہے مثلاً ایک جگہ ہے:

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ (بقرہ: ۷۵)

کیا تم لوگ یہ توقع رکھتے ہو کہ یہ لوگ تمہاری بات مان لیں گے درآنحالیکہ ان میں برابر ایک گروہ ایسے لوگوں کا رہا ہے جو اللہ کا کلام سنتا تھا پھر اس کو سمجھ لینے کے بعد دانستہ اس کے مفہوم میں ردوبدل کر ڈالتا تھا۔

دوسری جگہ ہے:

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (مائدہ: ۱۳)

وہ بات کو اس کی جگہ سے پھیر دیتے ہیں (یعنی اس کا مفہوم بدل دیتے ہیں)۔ جن باتوں کی تعلیم انھیں دی گئی تھی اس کا بڑا حصہ وہ بھلا چکے ہیں اور تم کو برابر ان کی کسی نہ کسی خیانت کا پتہ چلتا رہتا ہے، ان میں بہت تھوڑے ہیں جو اس ارتکاب جرم سے بچے ہوئے ہیں پس (اے پیغمبر) ان سے درگذر سے کام لو اور ان کی حرکات سے چشم پوشی کرو، بلا شبہ اللہ بہترین عمل کرنے والوں ہی کو محبوب رکھتا ہے۔

ایک اور مقام پر ہے:

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۭ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ۭ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۚ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (مائدہ: ۴۱)

Marfat.com

وہ بات کو اس کی جگہ سے پھیر دیتے ہیں (یعنی اس کا مفہوم تبدیل کر دیتے ہیں) اور لوگوں سے کہتے ہیں (ہم نے تورات کا جو حکم بتایا ہے) اگر وہی حکم تمہیں دیا جائے تو مانو ورنہ نہ مانو۔ جس کو اللہ ہی نے فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ کر لیا ہو تم اللہ کے مقابلے میں اس کے کسی کام نہیں آسکتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کی تطہیر اللہ کو منظور نہیں۔ ان کے لیے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی عذاب عظیم ہے۔

موخر الذکر آیت سے صاف ظاہر ہے کہ علماء یہود کے نزدیک حق وہ نہ تھا جو اللہ کی کتاب میں مندرج تھا بلکہ ان کی باطل تاویلات اور من مانی تشریحات نے حق کا درجہ حاصل کر لیا تھا۔

نفس پرستی

علماء یہود کی تمام اعتقادی اور عملی خرابیوں کی واحد وجہ ان کی نفس پرستی تھی۔ اللہ کی کتاب کا علم رکھنے کے باوجود دنیائے دنی کے فوائد ولذائذ کی ذخیرہ اندوزی میں وہ کسی بڑے سے بڑے دنیا پرست سے پیچھے نہ تھے۔ ان کی دنیا پرستی اور ہوائے نفسانی کی اتباع کا جو حال تھا اس کی تصویر کشی قرآن مجید نے ان لفظوں میں کی ہے:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ ۝ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَٰكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ ۚ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ إِن تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَث ۚ ذَّٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۝

(اعراف: ۱۷۵، ۱۷۶)

اور ان لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سناؤ جسے ہم نے اپنی آیات کا علم دیا تھا لیکن وہ اس کی پیروی سے نکل بھاگا پس شیطان اس کے پیچھے لگ گیا اور وہ گمراہ لوگوں میں داخل ہو کر رہا اور اگر ہم چاہتے تو اس کو آیات کی بدولت بلندی عطا کرتے لیکن

Marfat.com

وہ تو دنیا کی طرف جھک گیا اور اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کرنے لگا۔ پس اس کی مثال کتے کی سی ہے کہ اگر تو اس پر حملہ کرے یا نہ کرے دونوں حالتوں میں وہ اپنی (حرص آلود) زبان باہر ہی کو نکالے رہتا ہے۔ یہی حالت ان لوگوں کی ہے جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ تم اس واقعے کو بیان کردو شاید وہ غور و فکر کریں۔

ایک دوسری جگہ علماء یہود کو اس گدھے سے مشابہ قرار دیا گیا ہے جو کتابوں کا پشتارہ اٹھائے ہو لیکن یہ نہ جانتا ہو کہ اس میں کیا لکھا ہے اور کس کے لیے لکھا ہے، فرمایا:

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (جمعہ: ۵)

جن لوگوں کو تورات کا حامل بنایا گیا پھر انھوں نے اس (بوجھ) کو نہ اٹھایا (یعنی اس کے احکام پر عمل نہ کیا) ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو کتابوں کا پشتارہ لادے ہوئے ہو۔ ان لوگوں کی مثال اور بھی بری ہے جنھوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا، اللہ ظالموں کو راہِ ہدایت نہیں دکھاتا۔

علماء یہود ہر طرح کی بداعمالیاں صرف اس خیال کے تحت کرتے تھے کہ وہ ضرور معاف کردیے جائیں گے اور یہی خیال انھوں نے عوام کے ذہنوں میں بھی بٹھا دیا تھا۔ قرآن مجید نے اس خیال کی تردید کی اور انھیں بتایا کہ آخرت کا گھر صرف خدا پرستوں کے لیے ہے اور انھیں کے لیے عفو و درگذر بھی ہے: ارشاد ہے:

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ۝ (اعراف: ۱۶۹، ۱۷۰)

Marfat.com

پھر ان کے بعد ان کے جانشین ایسے لوگ ہوئے جنھوں نے ان سے کتاب کو حاصل کیا۔ یہ لوگ دنیائے دنی کی حقیر متاع کو (حکم کتاب کے عوض) لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری ضرور مغفرت ہو جائے گی۔ حالانکہ اگر ان کے پاس ویسا ہی مال و متاع پھر آجائے تو اس کو بھی (ادنیٰ تامل کے بغیر) لے لیتے ہیں۔ کیا ان سے اس بات کا عہد نہیں لیا گیا ہے جو کتاب میں مذکور ہے کہ وہ اللہ کی طرف حق بات کے سوا کوئی دوسری بات منسوب نہ کریں۔ اور کتاب میں جو کچھ لکھا ہے وہ اس کو پڑھ بھی چکے ہیں۔ جو لوگ خدا ترس ہیں ان کے لیے آخرت کا گھر (دنیائے دنی کے عارضی فوائد کے مقابلے میں) کہیں بہتر ہے (اے علماء یہود) کیا تم اتنی سی بات بھی نہیں سمجھتے؟ اور جو لوگ اللہ کی کتاب کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے ہوئے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں، یقیناً ایسے لوگوں کا اجر ہم ضائع نہ کریں گے جو اپنی اصلاح کرنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے علماء یہود کو ان کی نفس پرستی کی سزا اس دنیا میں یہ دی کہ علم کی دولت رکھنے کے باوجود انھیں راہ حق سے محروم کر دیا جیسا کہ ایک جگہ فرمایا ہے:[1]

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَ قَلْبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ (جاثیہ: ۲۳)

کیا تم نے اس شخص کا حال نہیں دیکھا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا لیا۔ اور اللہ نے علم کے باوجود اسے گمراہ کر دیا، اور اس کے کان اور اس کے دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ اللہ کے بعد اب کون ہے جو اسے راہ ہدایت دکھائے، کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے۔

---

[1] اس آیت سے معلوم ہوا کہ محض علم دین رکھنے کی وجہ سے کسی شخص کو معتبر عالم دین نہیں سمجھ لینا چاہیے معتبر عالم دین وہی ہے جو حتی المقدور اللہ کی کتاب پر عمل کرے۔ عمل اور تقویٰ سے خالی کسی عالم دین کی پیروی کا نتیجہ بجز گمراہی کے اور کچھ نہیں۔ مسلمان اس معاملے میں سخت کوتاہ نظر واقع ہوئے ہیں۔

Marfat.com

شیطانی اعمال کی اشاعت

علمار یہود نے دنیا کمانے کے لیے عوام کے اندر بہت سے خلاف دین اعمال ورسوم اور بدعات کو پھیلا رکھا تھا، جن میں تعویذ، گنڈا اور جادو خاص اہمیت رکھتے تھے ان شیطانی اعمال ورسوم کی اشاعت کی وجہ سے اکثر یہودی تورات کے احکام وہدایات کو پس پشت ڈال چکے تھے اور اللہ رب العزت کی ذات پر اعتماد وتوکل کے بجائے انسانی ہاتھوں کے لکھے ہوئے چند حروف ونقوش پر بھروسہ کرنے لگے تھے۔ انھیں دل سے یقین تھا کہ محض ان اعمال کے ذریعہ سے وہ دنیا میں عروج واقبال حاصل کر سکتے ہیں۔ ان کے علماء نے بھی ان کو یقین دلا رکھا تھا کہ ان کی قومی عظمت وشوکت کا راز انہی اعمال میں پوشیدہ ہے۔ مثال میں وہ سلیمان علیہ السلام کی عظیم بادشاہت کو پیش کرتے تھے جو ان کے خیال کے مطابق ان کے علم سحر کا نتیجہ تھی۔ "نقوش" اور سحر سے یہودیوں کے غیر معمولی شغف اور اللہ کی کتاب سے ان کی غفلت وبے توجہی کا جو حال تھا اس کا ذکر قرآن مجید میں ان لفظوں میں آیا ہے:

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا هُمْ بِضَاۗرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۭ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۭ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ (بقرہ: ۱۰۱، ۱۰۲)

اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے ایک رسول آگیا ان پیشین گوئیوں کے مطابق

Marfat.com

جوان کی کتاب میں مذکور ہیں تو حاملین کتاب کے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب کو اس طرح پس پشت ڈال دیا جیسے انھیں اس کا کوئی علم ہی نہیں اور انھوں نے اس چیز کا اتباع کیا جو سلیمان کے عہد حکومت میں شیاطین پڑھتے پڑھاتے تھے حالانکہ سلیمان نے کفر نہیں کیا بلکہ کفر کے مرتکب وہ شیاطین تھے جو لوگوں کو جادو کی تعلیم دیتے تھے اور انھوں نے اس چیز کا بھی اتباع کیا جو بابل میں دو فرشتوں، ہاروت و ماروت کو دی گئی تھی حالانکہ وہ (فرشتے) جب کسی کو اس کی تعلیم دیتے تھے تو اس کو خبردار کر دیتے تھے کہ "دیکھو، ہم (تمہارے لیے) فتنہ ہیں اس لیے تم (اس علم کو سیکھ کر) کفر نہ کرنا۔ (لیکن اس تنبیہ کے باوجود) یہ لوگ ان سے جو علم سیکھتے تھے اس سے شوہر اور بیوی میں جدائی ڈال دیتے تھے حالانکہ وہ اس سے خدا کے اذن کے بغیر کسی کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے تھے۔ اور وہ ایسی چیز سیکھتے ہیں جو ان کے لیے نفع بخش نہیں بلکہ ان کے حق میں مضرت رساں ہے۔ ان کو یہ بات پہلے سے معلوم ہے کہ جو شخص اس چیز کا خریدار بنا اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں، کیا ہی بری ہے وہ چیز جس میں وہ اپنی جانوں کو کھپا رہے ہیں، کاش وہ اس کو جانتے۔

علماء یہود کے افکار و اعمال کی خرابیوں سے متعلق قرآن مجید کی متذکرہ شہادت کے بعد اب انجیل کی شہادت بھی ملاحظہ فرمالیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام علماء یہود (فقیہہ و فریسی) کو مخاطب کرتے ہوئے ایک جگہ فرماتے ہیں:

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو، تم پر افسوس کہ آسمانی کی بادشاہی لوگوں پر بند کرتے ہو کہ خود نہ اس میں داخل ہوتے ہو اور نہ دوسروں کو داخل ہونے دیتے ہو ○ اے ریاکار فقیہو اور فریسیو، تم پر افسوس کہ تم بیواؤں کے گھر دبا بیٹھتے ہو اور دکھاوے کے لیے نماز کو طول دیتے ہو، تمہیں زیادہ سزا ہوگی ○ اے ریاکار فقیہو اور فریسیو، تم پر افسوس کہ ایک مرید کرنے کے لیے تری اور خشکی کا دورہ کرتے ہو اور جب وہ مرید ہو چکتا ہے تو اسے اپنے سے دوگنا جہنم کا فرزند بنا دیتے ہو ○ اے اندھے راہ بتانے والو! تم پر افسوس کہ تم

Marfat.com

کہتے ہو کہ اگر کوئی شخص مَقدس (عبادت گاہ) کی قسم کھائے تو کچھ بات نہیں لیکن اگر مقدس کے سونے کی قسم کھائے تو اس کا پابند ہوگا ○ اے احمقو اور اندھو، کون بڑا ہے سونا یا مقدس جس نے سونے کو مُقدّس کیا۔ اور تم یہ بھی کہتے ہو کہ اگر کوئی قربان گاہ کی قسم کھائے تو کچھ بات نہیں لیکن جو نذر اس پر چڑھی ہو اگر اس کی قسم کھائے تو اس کا پابند ہوگا ○ اے اندھو، کون سی بڑی ہے نذر یا قربان گاہ جو نذر کو مُقدّس کرتی ہے ○ پس جو قربان گاہ کی قسم کھاتا ہے وہ اس کی اور ان سب چیزوں کی جو اس پر ہیں قسم کھاتا ہے ○ اور جو مَقدس کی قسم کھاتا ہے وہ اس کی اور اس کے رہنے والوں کی قسم کھاتا ہے ○ اور جو آسمان کی قسم کھاتا ہے وہ خدا کے تخت کی اور اس پر بیٹھنے والے کی قسم کھاتا ہے ○

اے ریاکار فقیہو اور فریسیو، تم پر افسوس کہ پودینہ اور سونف اور زیرہ پر تو دہ یکی (عشر، TENTH) دیتے ہو لیکن تم نے شریعت کی زیادہ بڑی باتوں یعنی انصاف، رحم اور ایمان کو چھوڑ دیا ہے۔ لازم تھا کہ یہ بھی کرتے اور وہ بھی نہ چھوڑتے ○ اے اندھے راہ بتانے والو، تم مچھر کو تو چھانتے ہو اور اونٹ کو نگل جاتے ہو ○ اے ریاکار فقیہو اور فریسیو، تم پر افسوس کہ پیالے اور رکابی کو اوپر سے صاف کرتے ہو مگر وہ اندر لوٹ کھسوٹ اور ناپرہیزگاری سے بھرے ہیں ○ اے اندھے فریسی، پہلے پیالے اور رکابی کو اندر سے صاف کر تاکہ اوپر سے بھی صاف ہو جائیں۔

اے ریاکار فقیہو اور فریسیو، تم پر افسوس کہ تم سفیدی پھری ہوئی قبروں کے مانند ہو جو اوپر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی ہیں مگر اندر مردوں کی ہڈیوں اور ہر طرح کی نجاست سے بھری ہوتی ہیں ○ اسی طرح تم بھی ظاہر میں تو لوگوں کو راستباز دکھائی دیتے ہو مگر باطن میں ریاکاری اور بے دینی سے بھرے ہو ○ اے ریاکار فقیہو اور فریسیو، تم پر افسوس کہ نبیوں کی قبریں بناتے اور راستبازوں کے مقبرے آراستہ کرتے ہو ○ اور کہتے ہو کہ اگر ہم اپنے باپ

Marfat.com

دادا کے زمانے میں ہوتے تو نبیوں کے خون میں ان کے شریک نہ ہوتے ۝
اس طرح تم اپنی نسبت گواہی دیتے ہو کہ تم نبیوں کے قاتلوں کے فرزند ہو ۝
غرض اپنے باپ دادا کا پیمانہ بھر دو ۝ اے سانپو، اے افعی کے بچو، تم جہنم
کی سزا سے کیونکر بچو گے ۝"[1]

ضالّین یعنی عیسائیوں کے عقاید و اعمال

عیسائیوں کی داستان ضلالت کے دو جزو ہیں، ایک اعمال کی ضلالت جس کا تعلق دراصل ان کی ان بدعات سے تھا جن کو انھوں نے دین کے نام پر اختراع کر کے جزو دین بنا لیا تھا اور دوسرے عقائد کی ضلالت یعنی تثلیث و کفارہ کے عقائد جو تمام تر یونانی اساطیر سے ماخوذ تھے۔ عقائد و اعمال کی ان خرابیوں کے ذمہ دار ان کے علماء اور درویش تھے جنھوں نے کبھی دین کے نام پر اور کبھی دنیا کمانے کے لیے سادہ لوح عیسائی عوام کو دین حق کی سیدھی راہ سے ہٹا کر شرک و ضلالت میں مبتلا کیا۔ اس داستانِ ضلالت کو یہاں اختصار کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔

عیسائی علماء کی مذہبی اجارہ داری

یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیا پرست مذہبی پیشواؤں کا جادو انہی لوگوں پر زیادہ چلتا ہے جو جاہل ہوتے ہیں یا جن کے ذہنی قویٰ کمزور ہوتے ہیں یا جو اندھی تقلید کی بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں۔
مذہبی پیشوا یہ کبھی نہیں چاہتے کہ عام لوگوں میں کتاب الٰہی کا صحیح علم پھیلے کیونکہ اس صورت میں ان کی مذہبی اجارہ داری خطرے میں پڑ سکتی ہے اس لیے وہ مختلف طریقوں سے عوام کو باور کراتے ہیں کہ کتاب الٰہی کی تفہیم ہر شخص کے لیے ممکن نہیں ہے، اس کے معانی و مفاہیم کا سمجھنا صرف علماء کا کام ہے، عام لوگوں کا کام بس اتنا ہے کہ جو کچھ علماء بتا دیں وہ اس کی اتباع کریں۔ جو لوگ کتاب الٰہی کا علم حاصل کرنے کے لیے ان کے پاس یا ان کے قائم کردہ

---

[1] متی باب ۲۳: ۱۳ تا ۳۳

Marfat.com

مراکز میں جاتے ہیں ان کی آنکھوں پر بھی وہ کورانہ تقلید کی عینک لگا دیتے ہیں تاکہ وہ وہی کچھ دیکھیں اور سمجھیں جو وہ دکھانا اور سمجھانا چاہتے ہیں۔ اس طرح یہ لوگ کتابِ الٰہی کی تعلیم حاصل کر کے بھی اس کی روح و کنہ سے بے خبر رہتے ہیں۔

عیسائی علماء کی مذہبی اجارہ داری بالکل اسی نوع کی تھی چنانچہ عام عیسائیوں کے لیے انجیل کا براہِ راست مطالعہ ممنوع تھا۔ پوپ اور پادری انجیل کی آیات کا جو مطلب بیان کر دیتے تھے راسخ العقیدہ عیسائی اس کو صحیح تسلیم کر کے اس پر عمل کرتے تھے، کسی کو چون و چرا کی مجال نہ تھی۔ عیسائی علماء کا یہ طلسم ہوش ربا اس وقت جا کے ٹوٹا جب سولہویں صدی عیسوی میں لوتھر[1] (متوفی ۱۵۴۶ء) نے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور اعلان کیا کہ انجیل کے پڑھنے اور اس کے سمجھنے کا حق ہر عیسائی کو حاصل ہے۔ اس اعلان کے جواب میں پوپ نے اس کو برادری سے خارج (EX-COMMUNICATED) کر دیا، لیکن لوتھر کی تحریک جاری رہی اور بالآخر اسے فتح حاصل ہوئی۔ لیکن اس فتح عظیم کے بعد بھی پروٹسٹنٹ فرقہ کو راہِ حق نہ مل سکی کیونکہ عیسائی علماء و مشائخ کی تحریفات کی وجہ سے مجرّد اناجیل کی مدد سے حق شناسی اگر امر محال نہیں تو کار مشکل ضرور ہے۔

عیسائی علماء کی دنیا پرستی

یہودی علماء کی طرح عیسائی علماء و مشائخ نے بھی دین کو پیشہ اور دکانداری بنا لیا تھا جیسا کہ قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ

---

[1] یہ پہلے راہب تھا لیکن ۱۵۱۰ء میں جب روم گیا تو وہاں عیسائی مذہب کی ابتری کو دیکھ کر اس کے دل میں ایسی نفرت پیدا ہوئی کہ اس نے رومن کیتھولک مذہب کی علانیہ مخالفت شروع کر دی اور ۱۵۲۴ء میں رہبانیت کی قسم توڑ کر شادی بھی کر لی۔ اس نے مذہبی طبقہ کی شدید مخالفت کے باوجود انجیل مقدس کا ترجمہ عام زبان میں کیا اور اس طرح اس نے ایک ایسے فرقہ کی بنیاد ڈالی جو آج پروٹسٹنٹ فرقہ کہلاتا ہے۔ یہ ۱۴۸۲ء میں پیدا ہوا اور ۱۵۴۶ء میں فوت ہوا۔

Marfat.com

اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝ (توبہ: ۳۵)

اے ایمان والو! (اہل کتاب کے) اکثر علماء اور درویشوں کا حال یہ ہے کہ وہ لوگوں کا مال ناروا طریقوں سے کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے انھیں روکتے ہیں۔ اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور انھیں خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انھیں دردناک عذاب کی خبر سنا دو۔ (یہ سزا جس دن واقع ہوگی) اس دن (ان کا جمع کیا ہوا) سونے چاندی کا ڈھیر دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا اور اس سے ان لوگوں کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا (اور اس وقت کہا جائے گا) یہ ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا اب اپنی جمع کی ہوئی دولت کا مزہ چکھو۔

اس آیت میں عیسائی علماء اور درویشوں کے تمام جرائم کو صرف دو جملوں میں بیان کر دیا گیا ہے، ایک اکل اموال بالباطل یعنی غلط طریقوں سے لوگوں کا مال کھانا، اور دوسرے صدعن سبیل اللہ یعنی خود اللہ کی راہ پر چلنے سے رکنا اور دوسروں کو بھی اس سے روکنا۔ عیسائی علماء سادہ لوح عیسائیوں کا مال جن جن طریقوں سے کھاتے تھے اور انھیں جس طرح حق پرستی سے روکتے تھے اس کی تفصیل آج بھی تاریخ میں محفوظ ہے۔

عیسائی علماء نے دنیا کمانے کے لیے تمام مذہبی اعمال و رسوم کے لیے باقاعدہ رقمیں متعین کر دی تھیں مثلاً شادی کی فیس، غمی کی فیس، روزہ کشائی کی فیس، وعظ و نصیحت کی فیس حتیٰ کہ کوئی عیسائی اس وقت تک خدا سے دعا بھی نہیں کر سکتا تھا جب تک کہ وہ مقررہ نذرانہ ادا نہ کر دے۔ عیسائی علماء نے انجیل خوانی کو بھی ذریعہ معاش بنا لیا تھا چنانچہ وہ بغیر معاوضہ لیے انجیل نہیں سناتے تھے۔ آج بھی رومن کیتھولک چرچ کے راہب ایک ایک گھر میں جا کر انجیل سناتے اور اس کی قیمت وصول کرتے ہیں

Marfat.com

عیسائی علماء نے عوام کے اندر یہ اعتقاد پیدا کر دیا تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کے حواریوں کے پاس نیکی کا بڑا خزانہ ہے اور چونکہ وہ حواریوں کے نائب ہیں اس لیے انھیں اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ وہ جسے چاہیں بخش دیں اور جسے چاہیں نہ بخشیں۔ اس غرض کے لیے انھوں نے اعتراف گناہ (CONFESSION) کا طریقہ رائج کیا۔ وہ جاہل عوام سے بڑی بڑی رقمیں لے کر ان کی سزاؤں میں تخفیف کر دیا کرتے تھے۔ آگے چل کر جب حبّ مال اور ہوس زراندوزی حد سے زیادہ بڑھ گئی تو انھوں نے باقاعدہ مغفرت ناموں کو فروخت کرنا شروع کر دیا۔ یہ جنت کا "پاسپورٹ" تھا۔ جو شخص مقررہ رقم ادا کر دیتا تھا اس کو یہ پاسپورٹ (مغفرت نامہ) مل جاتا تھا اور یہ اس بات کی ضمانت ہوتی تھی کہ اب خواہ وہ کتنے ہی معاصی کا ارتکاب کرے روز آخرت اس سے کوئی باز پرس نہ ہوگی، مورخین نے لکھا ہے کہ پروانۂ مغفرت کی اس تجارت کو اس قدر فروغ حاصل ہوا کہ کاروباری لوگوں نے پوپ سے اس کی خرید و فروخت کا ٹھیکہ لینا شروع کر دیا۔ سولہویں صدی تک یہ کاروبار مغفرت جاری رہا چنانچہ ۱۵۱۷ء میں پوپ لیو دھم (LEO X) نے کثیر تعداد میں مغفرت نامے جاری کیے جن میں ضمانت دی گئی تھی کہ جو شخص مقررہ رقم دے کر اس کو خریدے گا اس پر سے عذاب اٹھا لیا جائے گا۔[1]

عیسائی علماء اپنے دین فروشی کے کاروبار کو چمکانے کے لیے گزرے ہوئے عیسائی درویشوں اور خدا رسیدہ بزرگوں کے کشف و کرامت اور عالم طبعی پر ان کے اختیار و تصرف کی داستانوں کو خوب بڑھا چڑھا کر شہرت دیتے تھے۔ اس کے علاوہ انھوں نے طرح طرح کے تبرکات اور مقدس آثار بھی بنا لیے تھے اور عیسائی عوام کو یقین دلا رکھا تھا کہ ان مقدس آثار میں برکت و شفا ہے جس نے ان کی زیارت کر لی اور انھیں چھو لیا اس کو ضرور دینی اور دنیوی برکات و فوائد حاصل ہوں گے۔ ان مقدس آثار سے پادریوں نے خوب دولت کمائی۔

---

1) A History of our religion, D.C. Somervell London, 1945, P. 162

Marfat.com

عوام اپنی جہالت اور خوش اعتقادی کی وجہ سے ہر لکڑی کو صلیب مقدس سمجھتے تھے۔ یورپ کے کلیساؤں میں صلیب مقدس کی اتنی لکڑی جمع ہوگئی تھی کہ ان سے ایک جہاز بن جاتا۔ اس کے علاوہ متبرک آثار میں یوحنا کے ایک درجن سر تھے، ایک پادری کے پاس ایک پونڈ وہ ہوا تھی جو ایلیا کے لیے چلی تھی، روح القدس کے دو پر اور ایک انڈا بھی تھا، بعض سینٹ کے ناخن اور تسبیحیں بھی تھیں۔ جاہل عوام ان تاریخی آثار و تبرکات کی جوق در جوق زیارت کرتے اور مقررہ نذریں ادا کرتے تھے،

راہبوں میں سے جو راہب اپنے روحانی کمالات میں زیادہ شہرت حاصل کرلیتا تھا اس کے متعلق جاہل عیسائی یہ گمان رکھتے تھے کہ وہ صاحب کشف و کمال ہے، وہ جو چاہے کرسکتا ہے چنانچہ وہ اس کے پاس اپنی حاجتیں لے کر جاتے تھے اور وہ ان سے نذریں لے کر ان کو یقین دلاتا تھا کہ ان کی حاجتیں ضرور پوری ہو جائیں گی۔

عیسائی علماء کی فرقہ بندی

عیسائی علماء نے اپنے دنیوی اغراض کے حصول اور اپنی مذہبی قیادت کے استحکام کے لیے عیسائیوں کو متعدد فرقوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ سینٹ اگسٹائن کے لکھنے کے مطابق اس وقت عیسائیوں میں ۸۸ فرقے پیدا ہو چکے تھے۔ ہر فرقہ دوسرے فرقہ کے خلاف شدید نفرت کے جذبات رکھتا تھا اور اس آتش نفرت کو شعلہ زن بنانے میں عیسائی علماء اپنی زبان اور قلم کی ساری قوتیں صرف کرتے تھے۔ اسکندریہ میں اکثر فرقہ وارانہ تصادم ہوا کرتے تھے۔ ایک بار ایرین فرقہ کے بشپ نے اتھاناسیوس کے فرقہ پر حملہ کیا۔ اس حملہ میں اس کی خانقاہ میں مقیم کنواری راہبات کو بے عزت کیا گیا، ان کے جسموں کو عریاں کر کے خاردار شاخوں سے خوب زدوکوب کیا گیا تاکہ وہ اس فرقہ کے عقائد سے دست بردار ہو جائیں۔ اس کے بعد جب مصر میں کیتھولک فرقہ کو سیاسی غلبہ حاصل ہوا تو اس نے ایرین فرقہ پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا اور ان کو ہر طرح کے ظلم و تشدد کا تختۂ مشق بنایا گیا۔ مختلف عیسائی فرقوں میں اس باہم نزاع کی وجہ سے ان کی خانقاہیں الگ الگ تھیں اور ایک فرقہ کا پیرو دوسرے

Marfat.com

فرقہ کی خانقاہ میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔

عیسائی علماء و مشائخ کی اخلاقی حالت

عیسائی علماء اور مشائخ (پوپ، پادری، راہب) کی اخلاقی حالت حد درجہ خراب تھی۔ دولت کی فراوانی کی وجہ سے وہ تعیش کے دلدادہ ہو چکے تھے۔ پادری شراب خانے اور قمار خانے چلاتے تھے۔ بہت سے راہب عہدِ پاکدامنی کے ایفا میں ناکام رہتے تھے، چونکہ شادی نہیں کر سکتے تھے اس لیے دیوداسیوں (کنواری مریم کے نام پر خانقاہوں سے وابستہ غیر شادی شدہ عورتیں) سے جنسی تعلقات قائم کر لیتے تھے چنانچہ ناجائز بچوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی۔ چودھویں اور پندرہویں صدی عیسوی کی خانقاہیں چکلا خانوں سے کم نہ تھیں۔ بہت سے پادری ان عورتوں سے مستفید ہوتے تھے جو ان کے سامنے اعتراف گناہ کے لیے جاتی تھیں۔

عیسائی علماء کا جرمِ عظیم

عیسائی علماء کا سب سے بڑا جرم یہ تھا کہ انھوں نے جلب دنیا کے لیے عیسائی قوم کو سر سے پیر تک شرک کے گڑھے میں اتار دیا۔ انھوں نے نہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدائی اوصاف و کمالات سے متصف قرار دیا بلکہ انھیں صاف صاف لفظوں میں خدا کا بیٹا قرار دے کر شریک الوہیت کر لیا۔ اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی پرستش شروع ہو گئی اور انھیں نافع و ضار سمجھ کر آفات و بلایا میں مدد کے لیے پکارا جانے لگا۔[1] حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں بھی وہ اسی طرح کے مشرکانہ خیالات رکھتے تھے۔ عیسائی علماء نے ان مشرکانہ عقائد کی تائید و تصویب میں بہت سے علمی دلائل فراہم کیے ہیں اور آج تک یہ سلسلۂ بحث و استدلال جاری ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ دلائل تارِ عنکبوت سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ قرآن مجید

---

[1] یہ شرک صرف دعا اور طلب حاجات تک محدود نہ تھا بلکہ کھلی بت پرستی (IMAGE-WORSHIP) تک پہنچ گیا تھا۔ مسیحی روما کے کلیساؤں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریمؑ کے مجسمے نصب تھے ←

Marfat.com

نے اس مشرکانہ خیال کی تردید بڑے بلیغ انداز میں کی ہے، فرمایا:

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۭ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۭ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَاۗءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَاۗءِ السَّبِيْلِ ۝ (مائدہ: ۷۵تا۷۷)

عیسیٰ ابن مریم بس ایک رسول تھا اس سے پہلے (اور بھی) رسول گزر چکے ہیں، اور اس کی ماں ایک راست باز عورت تھی۔ اور وہ دونوں کھانا کھاتے تھے، دیکھو ہم کس طرح ان کے سامنے نشانیوں کو کھول کر بیان کرتے ہیں، پھر دیکھو یہ کدھر الٹے پھرے جاتے ہیں۔ (اے پیغمبر) ان سے کہو، کیا تم خدا کو چھوڑ کر اس کی بندگی کرتے ہو جس کے اختیار میں نہ تمہارا نفع ہے اور نہ نقصان۔ اور بس اللہ ہی سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے، کہہ دو: اے اہلِ کتاب اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو، اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو خود گمراہ ہوئے اور کثیر لوگوں کو بھی گمراہ کیا اور وہ فی الحقیقت سیدھی راہ سے ہٹ چکے ہیں۔

= اور دیواریں ان کی تصاویر سے مزین تھیں اور ان کی پرستش کی جاتی تھی۔ اس بت پرستی کے خلاف جب بھی حکومت کی طرف سے آواز بلند ہوئی اور اس کو ممنوع قرار دیا گیا تو اس کی مخالفت سب سے زیادہ پادریوں اور راہبوں نے کی اور کامیاب رہے، تفصیل کے لیے دیکھیں:

History of the Intellectual Development of Europe, John Willium Draper, London, 1864, vol. I, P.P. 405, 406, 407, 408, 409, 410, 411, 412.

Marfat.com

اس آیت میں "مِنْ دُوْنِ اللّٰہ" سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں جن کے متعلق عیسائیوں کا آج بھی عقیدہ ہے کہ وہ انسانوں کو نفع اور نقصان پہنچانے کا اختیار رکھتے ہیں لیکن قرآن مجید اس خیال کی تردید کرتا ہے (اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا) سوچنے کی بات ہے کہ جب اللہ کا ایک جلیل القدر پیغمبر کسی کو نفع اور نقصان پہنچانے کا اختیار نہیں رکھتا تو کسی اور کے بارے میں اس قسم کا اعتقاد رکھنا صریح نادانی اور جہالت کی بات نہیں تو اور کیا ہے۔ آیات مذکورہ میں عیسائیوں کو ان کی ایک دوسری بڑی غلطی کی طرف بھی متوجہ کیا گیا ہے اور وہ غلو فی الدین ہے۔ غلو فی الدین کا مطلب حد اعتدال سے تجاوز کرنا ہے یعنی اللہ کی کتاب نے دینداری کے جو حدود و آداب مقرر کر دیے ہیں ان میں اپنی طرف سے اضافہ کر کے اس کے فطری توازن کو بگاڑ دینا۔ عیسائیوں کے اکثر عقائد و اعمال اسی غلو فی الدین کے مظہر ہیں۔

گذشتہ صفحات میں ہم نے مغضوب اور ضالین کے عقائد و اعمال کی جو تفصیلات پیش کی ہیں ان کی روشنی میں ہر مسلمان خواہ وہ عالم ہو یا غیر عالم اپنی اپنی زندگی کا احتساب کرے اور دیکھے کہ اس کے عقائد و اعمال کس حد تک مغضوب اور ضالین کے عقائد و اعمال کے اثرات سے محفوظ ہیں۔ ہمارا اپنا خیال ہے کہ آج مسلمانوں کا سواد اعظم شعوری یا غیر شعوری طور پر مغضوب اور ضالین کے نقوش قدم کی پیروی کر رہا ہے اور اس کے اندوہناک نتائج بھی ظاہر ہو چکے ہیں۔ مگر افسوس کہ ان کو اس کا احساس نہیں ہے۔ اس سلسلے میں ہم کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد پیشین گوئیاں کتب احادیث میں ملتی ہیں یہاں صرف ایک پیشین گوئی نقل کی جا رہی ہے:

> "ابو سعید خدری رضؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ ضرور گذشتہ لوگوں کے نقش قدم پر چلو گے، بالشت بالشت اور ہاتھ ہاتھ حتیٰ کہ اگر وہ کسی گوہ کے بل میں گھسے ہوں تب بھی تم ان کی پیروی کرو گے۔ ہم نے (یعنی صحابہ) عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول کیا اس سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ پھر اور کون"۔ [1]

فاعتبروا یا اولی الابصار!

---

[1] بخاری و مسلم

Marfat.com